پت جھڑ بہار کے سنگ
از سمیرا گُل عثمان

سہاگ کی سیج پر بیٹھی دلہنیں آنکھیں میں ہزاروں خواب سجائے امنگوں بھرا دل لئے کتنی چاہت اور ارمان کے ساتھ اپنے ہمسفر کا انتظار کرتی ہیں۔

مگر وہ شاید پہلی دلہن تھی جو انتہائی کوفت اور بیزاری کے عالم میں بیٹھی آنے والے لمحوں کے متعلق سوچ رہی تھی۔

اس کے پاس بیٹھی نو عمر لڑکی جو شاید اس کی کوئی سسرالی عزیز تھی اس کی خاموشی پر اکتا کر باہر چلی گئی، اریب نے اس کے ہر سوال کا جواب کچھ

Don’t copy paste without permission

اتنی برہمی سے دیا تھا کہ بیچاری کتنی ہی دیر ہونق پن سے اس کی شکل دیکھتی رہی تھی، اس کے جاتے ہی کمرے کی خاموش فضا میں مہیب سی آہٹ کا احساس جاگا تھا۔

اس نے اپنی بڑی بڑی سحر زدہ کالی آنکھوں سے مقابل کھڑے شخص کو دیکھا تو اندر کہیں دل کے سنگھاسن پر بیٹھے وجاہت سے بھرپور شخص کی شبیہ چکنا چور ہو کر بکھر گئی۔

اریب کو آج وہ پہلے سے بھی زیادہ برا لگا تھا، زیان نے محبت پاش نظروں سے اپنی جانب اٹھی اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں جھانکا تو ایسا لگا جیسے کسی مقناطیسی طاقت نے اس کی نگاہوں کو جکڑ لیا ہو اور وہ شاکنگ پنک عروسی غرارے میں ملبوس اس کے تصور سے بھی زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

Don’t copy paste without permission

''السلام علیکم؟'' مدھم لہجے میں سلام کرتا وہ اس کے پہلو میں ٹک گیا اریب بے اختیار کچھ دور ہوئی سلام کا جواب دینا بھی گوارہ نہ کیا۔

کھڑکی میں پورے دنوں کا چاند کچھ افسردہ ہوا۔

''جانتی ہو تم آج چاند سے بھی زیادہ روشن اور حسین لگ رہی ہو۔'' زیان نے اس کی تھوڑی کو نرمی سے چھوتے ہوئے اس کا رخ اپنی جانب موڑا تو وہ ناگواری سے ''اور تم چاند پر گرہن'' سوچتے ہوئے اس کا ہاتھ جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی، زیان نے تعجب سے کا انداز نوٹ کیا تھا۔

Don't copy paste without permission

''مجھے چینج کرنا ہے۔'' آنکھوں میں استفسار تھا زیان نے ڈریسنگ کی سمت اس کی رہنمائی کر دی وہ کہہ بھی نہ سکا کہ ابھی رک جاؤ ابھی مجھے تمہیں اس روپ میں جی بھر کر دیکھ تو لینے دو۔

آئینے کے سامنے جاتے ہی اس نے سارا زیور نوچ نوچ کر اتار پھینکا اور الماری سے سادہ سا کاٹن کا سوٹ نکال کر واش روم میں گھس گئی۔

پورا گھنٹہ واش روم میں صرف کرنے کے بعد جب باہر نکلی تو زیان کو اپنا منتظر دیکھ کر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا اس کا خیال تھا کہ وہ اب تک سوچکا ہو گا مگر اس کی بلا سے کوئی سوئے یا جاگے اسے کیا، اس نے نظریں گھما کر بیڈ روم کا جائزہ لیا بیڈ روم کافی کشادہ تھا اسی لیے بیڈ کے دوسری جانب صوفہ رکھ کر اس جگہ کور گیا تھا۔

Don't copy paste without permission

وہ بیڈ سے تکیہ اٹھا کر صوفے کی سمت مڑنے ہی والی تھی جب زیان نے اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے اس کی نازک کلائی تھام کر اپنے قریب بٹھا لیا۔

''رابی تم اس طرح کیوں کر رہی ہو۔''

''جب میں نے کہا تھا کہ مجھے آپ سے شادی نہیں کرنی تو آپ نے انکار کیوں نہیں کیا تھا۔'' اس کی معصومیت پر وہ خوب لفظوں کو چبا چبا کر بولی تھی۔

''مگر تمہیں مجھ سے شادی پر اعتراض کیا تھا۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

''وہ میں آپ کو بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔'' کہتے ہی اس نے سر پہ چادر تان لی، اندر سے اس کا دل کھول کر رہ گیا تھا۔

Don't copy paste without permission

''اونہوں اعتراض، موصوف نے شاید کبھی آئینے کو غور سے نہیں دیکھا۔'' اس کی آنکھیں بھر آئیں دل کے آئینے پر اس کا عکس پھر سے جھلملانے لگا تھا، وہ مردانہ وجاہت سے بھرپور شخص کسی پل نظروں سے اوجھل ہی نہیں ہوتا تھا۔

* * *

پچھلے دو گھنٹوں سے وہ بالکونی میں کھڑا سگریٹ پہ سگریٹ پھونکے جا رہا تھا آسمان کی بانہوں میں اونگھتا چاند بھی اسے خود پر ہنستا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی حالت سے حظ اٹھا کر اپنی توہین کا بدلہ لے رہا ہو ابھی کچھ دیر قبل اس نے اپنے محبوب کو چاند سے زیادہ روشن اور حسین جو کہا تھا۔

Don't copy paste without permission

''آہ۔'' محبوب کے نام پر دل میں ہوک سی اٹھی تھی، اریب اس کے ماموں کی بیٹی تھی ان کے خاندان میں کزنز سے زیادہ بے تکلف ہونے کا رواج نہیں تھا سو ایک گریز اور فاصلہ ہمیشہ دونوں کے درمیان حائل رہا مگر اریب کو جب بھی دیکھا اس کا دل عجب ہی لے پر دھڑکنے لگتا تھا یہی وجہ تھی گھر میں جب اس کی شادی کا تذکرہ چلا تو اس نے بلا جھجک اریب کا نام لے لیا، سب نے لاکھ سمجھایا کہ تم دونوں کا جوڑ مناسب نہیں تم دھیمے مزاج اور خاصی سلجھی ہوئی شخصیت کے مالک ہو جبکہ وہ تمہارے بالکل برعکس منہ پھٹ، ضدی، مغرور اور خود پرست قسم کی لڑکی ہے اور ایک حد تک یہ سچ بھی تھا۔

وہ تین بہنیں تھیں روشنی اور جالا اس سے دو سال بڑی تھیں وہ دونوں جڑواں تھیں پھر ان کے بعد اریب کا نمبر آتا تھا اللہ نے اسے غیر معمولی حسن سے نوازا تھا جہاں جاتی مرکز نگاہ بن جاتی لوگوں کی رشک بھری

Don't copy paste without permission

ستائشی نگاہیں قدم قدم اس کا پیچھا کرتیں اور ان کے توصیفی کلمات اپنے بے مثال حسن کا حق سمجھ کر وصول کرتے ہوئے اس کی گردن مزید تن جاتی تھی۔

آئینہ دیکھ کر اسے ایک ہی خیال آتا، ''اس چہرے کو چاہنے والا خود بھی کسی شہزادے سے کم نہیں ہو گا۔'' اور پھر ایک روز وہ شہزادہ اسے مل گیا جو اس کے متعین کردہ معیار حسن کے پیمانے پر ہر لحاظ سے فٹ آتا تھا۔

وہ بدھ کا دن تھا وہ گھر میں اکیلی تھی موسم بے حد خوشگوار اور آسمان پر چھائے بادل برسنے کو بے تاب تھے ٹھنڈی خوشگوار ہوا چل رہی تھی اس کا دل پکوڑوں کے لیے للچایا تو اس نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا کہ شاید کوئی مل جائے۔

Don't copy paste without permission

اس کے خرگوش موقع غنیمت جانتے ہوئے اس کے پیروں کے قریب سے اچھلتے ہوئے باہر لپکے ایک کو اس نے بھاگ کر پکڑ لیا تھا دوسرا قلانچیں بھرتا دور نکل گیا وہ اسے پکڑنے کو لپکی اور پھر ٹھٹک کر رک گئی، سامنے لینڈ کروزر سے نکلنے والا شخص، وہ پلکیں جھپکنا بھول گئی تھی اس نے آج تک کسی مرد کو اتنا خوبرو نہیں دیکھا تھا۔

''آپ کا خرگوش۔'' دوسرے والا خرگوش وہ اسے پکڑا رہا تھا وہ تھامتے ہوئے بھی اسے دیکھتی رہی اس کے یاقوتی لب باہم پیوست ہی رہے وہ شکریہ ادا کرنا بھی بھول گئی، وہ واپس پلٹا وہ کھڑی دیکھتی رہی۔

یہاں تک کہ بارش کی تیز بوندوں نے اسے احساس دلایا کہ وہ جا چکا ہے، انہی دنوں پھپھو اپنے ڈاکٹر بیٹے کے لئے اس کا پرپوزل لے کر چلیں آئیں تھیں اب بھلا ابا اپنی بہن کو کیسے مایوس کرتے، جھٹ ہاں کر دی۔

Don't copy paste without permission

زیان ہنڈسم تھا مگر اسے تو وہ بلیک لینڈ کروزر والا چاہیے تھا وہ اس سے کم پر راضی ہی نہیں تھی۔

بہت ہنگامہ مچایا مگر کسی نے ایک نہ سنی تو زیان کا نمبر گھما ڈالا اور وہ اس کی فرمائش سن کر عجیب سیچویشن میں الجھ گیا تھا پہلے ہی گھر والوں کو بمشکل رضا مند کیا تھا اور اب جبکہ شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں تو انکار ... کیسا مضحکہ خیز اور فلمی سا لگ رہا تھا اسے سوچ کر ہی جھرجھری آگئی، اس رشتے سے اب انکار کا مطلب تھا کہ اماں بھی اپنے بھائی کو ہمیشہ کیلئے کھودیں اور پھر اس کی موہنی صورت اس سے دستبرداری کا تو تصور ہی محال تھا۔

Don’t copy paste without permission

وہ اس امید پر شاد ہو گئی کہ دوسری جانب سے انکار ہو جائے گا مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ ازدواج میں بندھ گئے جسے زیان نے تو دل کی تمام تر گہرائیوں سے قبول کیا تھا مگر وہ ایسا کوئی تعلق نبھانے کے موڈ میں بالکل ہی نہیں تھی۔

* * *

شادی کی اگلی صبح دروازے پر ہونے والی مسلسل دستک پر اس کی آنکھ کھلی تو اس نے آنکھیں مسلتے ہوئے وال کلاک کی سمت دیکھا گھڑی گیارہ کا الٹی میٹم دے رہی تھی وہ ہڑبڑا کر اٹھا تو نظریں صوفے پر نیم دراز وجود سے الجھ گئیں وہ بے خبر سو رہی تھی۔

''رابی۔'' زیان نے قریب آکر اسے پکارا۔

Don't copy paste without permission

’کیا ہے ؟‘‘ وہ اسے سر پہ سوار دیکھ کر جھنجھلائی۔

’’اٹھو اور بیڈ پر جا کر سوؤ میں سب کے سامنے کوئی حرکت نہ دیکھوں۔‘‘ عجیب تنبیہ بھرا انداز تھا وہ شرافت سے اٹھ گئی مگر زیان کا درشت لہجہ اسے بے حد برا لگا تھا، بھابھی ان کے لئے ناشتہ لائی تھیں وہ فریش ہو کر میز پر آ بیٹھا۔

’’ناشتے میں کیا لو گی۔‘‘ اس نے خاموش بیٹھی اریب سے پوچھا تھا۔

’’زہر۔‘‘ وہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔

Don’t copy paste without permission

''وہ اس وقت دستیاب نہیں ہے فی الحال بریڈ اور بٹر سے کام چلاؤ، حلوہ پوری بھی اگر کھانا چاہو تو کوئی پابندی نہیں اور اگر ''اس'' زہر کے سوا کچھ اور کھانے کو دل چاہے تو بندہ حاضر ہے۔'' وہ مسکرایا، جبکہ اریب کے لب بھینچ گئے، مگر مزید بھوکے رہنا بھی ناقابل برداشت تھا۔

''اریب میں نے تمہارا سوٹ نکال دیا ہے تم تیار ہو جاؤ پھر تمہارے گھر والے آتے ہی ہوں گے۔'' آپا اس کے لئے بھاری کام والا سوٹ اٹھائے چلی آئیں۔

''سوری آپا آپ نے ناحق زحمت کی ورنہ میں دوسروں کی پسند کی ہوئی چیزیں استعمال نہیں کرتی۔'' ناک سکوڑتے ہوئے اس نے باور کروایا اور اٹھ کر الماری کی سمت بڑھ گئی اپنے لئے جوڑا وہ خود منتخب کرنے والی تھی۔

Don't copy paste without permission

آپا کے چہرے کی رنگت ایک لمحے کو متغیر ہوئی اور پھر وہ ایک جتائی ہوئی سی نگاہ زیان پر ڈال کر چلی گئیں زیان نے سرزش کرنا چاہا تھا۔

''اریب تمہیں آپا سے ایسے بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔''

''ایسے سے کیا مطلب ہے تمہارا؟'' اس نے پلٹ کر تیکھی نظروں سے اسے گھورا۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو اپنے انداز کو بھی اور میرے مطلب کو بھی۔''

''دیکھو مجھے اپنی پرسنل لائف میں دوسروں کی مداخلت قطعی پسند نہیں۔''

Don't copy paste without permission

''وہ دوسرے نہیں میرے گھر والے ہیں۔''

''تو پھر آپ تک محدود رہیں۔'' واش روم میں گھس کر اس نے ٹھک سے دروازہ بند کیا تھا زیان کے کان جھنجھنا اٹھے۔

* * *

بڑی پھپھو کے گھر دعوت تھی زیان شیو کر کے باہر نکلا تو وہ بلیک سوٹ میں ملبوس بالکل تیار کھڑی تھی زیان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ آج کالا لباس پہنے مگر جب اس نے فرمائش کی تو سفید لباس کی، جانتا تھا وہ بالکل الٹ کرے گی اور اب حسب منشاء رزلٹ سامنے تھا اس کے لبوں پر مسکراہٹ اڈ آئی۔

Don't copy paste without permission

''اچھی لگ رہی ہو۔'' وہ اسے چڑاتا ہوا اب بالوں میں برش کر رہا تھا خلاف توقع وہ خاموش رہی تھی مگر دل ہی دل میں اچھی خاصی جزبز ہوئی تھی، سگنل پہ گاڑی رکی زیان نے دو گجرے لے کر اس کی سمت بڑھائے مگر وہ رخ موڑے بیٹھی رہی۔

''اریب مجھے لگتا ہے کہ ہمیں ایک دوسرے کو سمجھنے کے لئے تھوڑا وقت چاہیے ہم دوستوں کی طرح بھی تو بی ہیو کر سکتے ہیں نا۔''

''تھوڑا وقت ساتھ گزارنے سے کیا مجھے تم سے محبت ہو جائے گی۔'' وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر طنزیہ انداز میں گویا ہوئی۔

''آئی تھینک۔'' وہ گاڑی کا موڑ کاٹتے ہوئے مسکرایا۔

Don't copy paste without permission

''نیور۔'' وہ اس کی مسکراہٹ سے چڑ گئی۔

''چلو میں دعا کروں گا کہ تمہیں مجھ سے محبت ہو جائے، دعاؤں میں بڑا اثر ہوتا ہے۔''

''خوابوں پر کوئی پابندی نہیں ہے۔''

''خواب بھی تو تمہارے ہیں۔'' وہ کہاں خاموش رہنے والا تھا اریب نے جھنجھلا کر سیل نکال لیا اور ایس ایم ایس چیک کرنے لگی۔

''کاش میں موبائل ہوتا، وہ اپنے نازک سے ہاتھوں میں چلاتی مجھ کو، میں اس کی پوروں کی خوشبو سے مہک سا جاتا۔''

Don't copy paste without permission

پھر وہ راستہ بھر اس نظم کی ٹانگ، ہاتھ، پاؤں توڑ توڑ کر جوڑتا رہا۔

* * *

وہ ملٹری ہاسپٹل میں ڈاکٹر تھا شادی سے دو ماہ قبل اس کی پوسٹنگ مری میں ہوئی تھی رہائش کے لئے انہیں ایک کاٹیج دیا گیا تھا چھٹیاں ختم ہوتے ہی وہ دونوں لاہور سے مری شفٹ ہو گئے تھے، آج ان کا اس گھر میں پہلا دن تھا۔

رات ہو چکی تھی صبح ڈیوٹی پر بھی جانا تھا اسے کسی کتاب میں گم دیکھ کر وہ سونے کے ارادے سے بیڈ روم میں چلا آیا تھا نیند کی وادیوں میں سفر کرتے ہوئے کوئی چیز ٹھک سے اس کے سر پہ لگی تھی، وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا

Don’t copy paste without permission

کشن اب زمین بوس ہو چکا تھا اور وہ آفت کی پرکالہ اس کے سر پر کھڑی تھی۔

''اپنا بستر زمین پر لگاؤ۔''

''کیوں ؟'' اس کا معنی خیز سا سوال اریب کو سرتاپا سلگا گیا۔

''کیونکہ اس گھر میں ایک ہی بیڈ روم ہے۔''

''ہاں اور تمہیں اس بیڈ پہ سونا پسند نہیں تو فرشی نشست تم لگاؤ ورنہ اگر چاہو تو یہاں بھی سو سکتی ہو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔'' اس نے کہہ کر سرتاپا چادر تان لی وہ کچھ دیر تو کھڑی اسے گھورتی رہی پھر جا کر ساری کھڑکیاں کھول دی کاٹیج کے عقب میں جھرنا تھا پانی کا شور۔

Don't copy paste without permission

''کھڑکی بند کرو میں ڈسٹرب ہو رہا ہوں۔'' چادر پھر سے اتارنا پڑی۔

''تم ڈسٹرب ہو رہے ہو تو لاؤنج میں سو جاؤ مجھے پانی کی آواز سننا اچھا لگتا ہے۔'' ٹانگیں جھلاتے ہوئے وہ مزے سے بولی تھی، زیان نے دونوں کشن اٹھا کر کانوں پہ رکھ لئے۔

***

''اب اٹھ بھی جاؤ میں لیٹ ہو رہا ہوں ناشتہ نہیں ملے گا۔'' اس نے بالوں میں برش کرتے ہوئے ٹائی کی ناٹ لگاتے ہوئے پرفیوم اسپرے کرنے کے دوران کوئی دسویں بار کہا تھا۔

Don't copy paste without permission

''دیکھو میں صبح دس بجے سے قبل اٹھنے کی عادی نہیں ہوں اور اپنے یہ سجنے سنورنے کے امور لاؤنج میں سرانجام دیا کرو ساری نیند خراب کر دی۔''

اس نے بڑبڑاتے ہوئے کروٹ بدل کر آنکھیں موند لیں، زیان نے اسے کلائی سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے کچن میں لا کھڑا کیا، اس کی کتنی ہی چوڑیاں ٹوٹ کر بکھر گئی تھیں۔

''اگلے دس منٹ تک ناشتہ ریڈی ہونا چاہیے۔''

''جاہل آوارہ جنگلی۔'' وہ اپنا غصہ برتنوں کو پٹخ پٹخ کر نکالتی رہی، چائے کا ایک گھونٹ بھرتے ہی اسے اچھو لگا تھا، بریڈ الگ جلے ہوئے تھے۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ۔'' اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

Don't copy paste without permission

''مجھے ایسا ہی ناشتہ بنانا آتا ہے کہو تو کل سے بنا دیا کروں۔'' اس کی اداکاری قابل دید تھی۔

''نوازش ہے جناب کی۔'' وہ وہی جلے ہوئے بریڈ اور نمک والی چائے پی کر چلا گیا تھا اور اس کا دن بہت بور گزرا، آخر اب کتنا بھی سوتی، ریلنگ سے ٹیک لگائے جھیل میں بنتی، بگڑتی لہروں کو دیکھتی رہی پھر شاپنگ کا موڈ ہوا تو مال روڈ چلی آئی یہاں اس وقت کافی رش تھا سارے ٹورسٹ ونڈو شاپنگ کرتے ہوئے نظر آرہے تھے، وہ بھی اسٹال میں لگی رنگرز اور بینڈ دیکھ رہی تھی۔

''ہیلو۔'' تبھی عقب سے کسی نے پکارا تھا وہ پلٹی اور پھر گویا اپنی جگہ مسمرائز ہو کر رہ گئی۔

Don't copy paste without permission

''ہیلو مس!'' کیا وہ ایک بار پھر سے اس کے سامنے کھڑا تھا حقیقت تھی یا خیال لیکن نہیں وہ سچ میں سامنے ہی تھا اپنی سیاہ کالی گھور سی آنکھیں اس پہ جمائے۔

''ہم پہلے بھی مل چکے ہیں شاید، آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔''

''اور آپ نے پہچان لیا مجھے؟'' اس کے لبوں سے بے ساختہ ہی پھسلا۔

''بھلا آپ کوئی بھولنے والی چیز تھی۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''چیز۔'' اریب نے آبرو اچکائے۔

''سوری خاتون۔'' وہ ایک بار پھر ہنسا۔

Don't copy paste without permission

''ویل میرا نام اریب ہے۔''

''اور میں شہروز حیدر۔'' اس نے اپنا ہاتھ اریب کی سمت بڑھایا تھا جسے ہلکا سا تھام کر اس نے چھوڑ دیا۔

''اگر میں آپ کو ایک کپ کافی کی آفر کرواؤں تو؟'' وہ اتنا ہی مہذب تھا یا بن رہا تھا۔

''تو میں انکار کر دوں گی۔'' وہ شرارت سے بولی اور پھر دونوں ہی ہنسنے لگے تھے۔

''فیملی کے ساتھ آئی ہیں۔''

Don't copy paste without permission

''نہیں دوستوں کے ساتھ۔'' اس نے روانی سے جھوٹ بولا اور پھر دوبارہ ملنے کا وعدہ کر کے چلی آئی۔

''کیا قسمت اس پر اتنی ہی مہربان تھی جو اسے وہ نہ صرف دوبارہ مل گیا تھا بلکہ پہچان بھی چکا تھا اور اس کی آنکھوں میں چاہت کے وہ سارے رنگ بھی تھے جنہیں وہ اپنے خوابوں پر اوڑھ لینا چاہتی تھی۔'' وہ خوش تھی بہت خوش۔

گھر میں قدم رکھتے ہی اس کا پہلا سامنا زیان سے ہوا تھا، وہ ڈائیننگ ہال میں بیٹھا اس کا منتظر تھا۔

Don't copy paste without permission

''کب سے تمہارا ویٹ کر رہا ہوں کہاں گئی تھی؟'' اس کا انداز تفتیشی نہیں تھا مگر وہ خائف ہو گئی تھی وہ زیان سے خائف ہو گئی تھی بھلا کیوں۔

''یہیں تھی مال روڈ پر۔'' اسے لگا وہ جیسے کوئی چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی ہے۔

''اچھا آؤ کھانا کھا لو تمہاری فیورٹ ڈش ہے۔'' وہ محبت سے بولا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس نے سیڑھیوں کی جانب قدم بڑھا دئیے۔

Don't copy paste without permission

''اریب میرا ساتھ دینے کی خاطر ہی رک جاؤ۔'' زیان نے پکارا مگر وہ اس کا ساتھ دینے کی خاطر نہیں رک سکتی تھی اسے زیان کا ساتھ قبول ہی نہیں تھا۔

* * *

''شام میں میرے کچھ دوست ڈنر پر مدعو ہیں ایک تو شادی کی ٹریٹ اور دوسرا تم سے ملنے کی خواہش میں یہ دعوت ارینج کی ہے میں نے۔'' ناشتے کے دوران زیان نے اسے مطلع کیا تھا۔

''تو میں کیا کروں؟''

Don't copy paste without permission

''تم بس ان کے سامنے اپنے منہ کے زاویے سیدھے رکھنا۔'' وہ تپ کر رہ گیا اس کی بے نیازی پر۔

''کوشش کروں گی۔'' اس نے شانے اچکائے۔

''گڈ، کوشش ہی منزل کی پہلی سیڑھی ہے۔'' وہ متاثر ہوا اور اریب بدمزہ۔

کچھ ڈشز اس نے ہوٹل سے منگوا لی تھیں باقی لان میں باربی کیو کا پروگرام تھا پنک شفون کی ساڑھی میں ہمیشہ کی طرح بہت خوبصورت لگ رہی تھی وہ کوئی ساتویں بار اندر آیا تھا اور وہ ہنوز اپنے بالوں کے ساتھ نبرد آزما تھی۔

''جلدی کرو اریب۔'' اب کی بار اس نے ٹوک دیا۔

Don't copy paste without permission

''تم بس کھڑے حکم چلا سکتے ہو کہاں بنانے آتے ہیں مجھے بال، گھر میں اماں بنایا کرتی تھیں اور شادی کے بعد بھابھی؟ دو دن سے یونہی لپیٹ کر رکھے تھے اب سلجھے تو بھلا کیسے ...'' تیز لہجے میں بولتی وہ آخر میں روہانسی ہو گئی تھی بال تھے یا مصیبت پھر تھے بھی گھنگھریالے، وہ بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپاتا قریب چلا آیا۔

''اچھا میں کوشش کرتا ہوں۔'' خلاف توقع وہ خاموشی سے اچھے بچوں کی طرح اس کے آگے اسٹول پر بیٹھ گئی زیان نے پوروں سے پہلے اس کی الجھنیں سلجھائی تھیں اریب کو عجیب سا لمس اپنی گردن اور شانوں پر محسوس ہو رہا تھا، ذرا سی گردن موڑی، وہ قریب تھا اتنے قریب اس کا دل دھک سے رہ گیا زیان کا انداز بدل گیا تھا، چند لمحوں کی قربت اسے مدہوش کر گئی تھی۔

Don't copy paste without permission

''اچھے میزبان ہو تم، ہمیں بلا کر خود غائب۔'' وہ سب ایک ساتھ اندر آئے تھے ماحول پہ چھایا فسوں ٹوٹ گیا، زیان نے مسکراتے ہوئے سب کا تعارف کروایا۔

ماریا، کاشف، عرفان اور زوہیب؟ وہ سب کلاس فیلو بھی رہ چکے تھے ماریہ اور کاشف کی پچھلے سال شادی ہوئی تھی، ماریہ کو کاشف سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی شکایت رہتی تھی آج بھی وہ اس کے لئے گجرے لانا بھول گیا تھا، جس پر وہ خفا خفا سی تھی۔

''یار تم تو جانتی ہو میری آج نائیٹ ڈیوٹی تھی کتنی مشکل سے اپنی ڈیوٹی ڈاکٹر وصی کو سونپ کر آیا ہوں کہ عجلت میں کچھ یاد ہی نہیں رہا۔'' وہ اسے منانے کو بولا۔

Don't copy paste without permission

''دیکھنا ماریا ایک دن یہ عجلت میں تمہیں بھی بھول جائے گا۔'' زوہیب نے مزید اس کے غصے کو ہوا دی تھی کاشف نے اٹھ کر اس کی گردن دبوچ لی۔

''ایک بار تیری شادی تو ہو جانے دے تیرے کارناموں کی فہرست تو بمعہ ثبوت بھابھی کو رونمائی میں پیش کروں گا۔''

''کوئی بچائے۔'' وہ نیچے سے دہائیاں دے رہا تھا، عرفان اور زیان نے بیچ بچاؤ کرایا۔

دہکتے الاؤ کے گرد بیٹھے وہ سب خوش گپیوں میں مشغول تھے باربی کیو پروگرام عروج پر تھا۔

Don't copy paste without permission

''یار جلدی کرو تمہارے ڈنر کے چکر میں آج میں لنچ بھی گول کر چکا ہوں۔'' عرفان بھوک کا کچا تھا لوگ دن میں تین بار کھاتے تھے وہ چھ بار کھاتا تھا۔

''میرے بھائی تم نے یہ فاقہ کیوں کاٹا تمہارا پیٹ تو زوہیب کے سیل بیلنس کی طرح ہمیشہ خالی ہی رہتا ہے۔'' کاشف نے ہمدردی جتائی، اریب ان کی نوک جھونک کو انجوائے کر رہی تھی، عرفان نے اٹھ کر گٹار اٹھا لیا۔

''زیان کوئی رنگ ہی جماؤ تو مزہ نہیں آ رہا۔''

Don't copy paste without permission

''ہاں اس کا وقت کٹ جائے گا۔'' کاشف نے پھر مذاق اڑایا، زیان کی نظریں اریب پہ جمی تھی اور اب سب اصرار کرنے لگے تھے بمشکل وہ ایک نظم پر مان گیا تھا۔

وہ سب اس کی شاعری کے دیوانے تھے پھر آواز اچھی تھی تو اکثر وہ گھیر گھار کر گیت نظمیں اور غزلیں سنا کرتے تھے کبھی تو وہ اکتا کر کہتا۔

''میں کیا تم لوگوں کا ریڈیو ہوں۔''

''تمہیں کوئی شک ہے۔'' زوہیب ڈھٹائی سے ہنسا۔

''گھٹار کی مدھم دھن پر وہ دھیرے دھیرے گنگنانے لگا تھا۔

Don't copy paste without permission

محبت تم بھی کرتی ہو

محبت میں بھی کرتا ہوں

مگر بس فرق اتنا ہے

کہ میں تم سے ایسی محبت کرتا ہوں

کہ اپنے آپ کو بھی بھول بیٹھا ہوں

مجھے تم سے فقط تم سے محبت ہے

اور ایسی ہے

Don’t copy paste without permission

کہ میری چاہتوں میں کوئی اور بھی نہیں شامل

تمہارے واسطے بس تمہارے واسطے

ایسی محبت ایسی چاہت ہے

اور اس چاہت میں کچھ اتنا جنون

کچھ ایسی شدت ہے

کہ میری ذات بھی مجھ سے منہا ہو گئی ہے

Don’t copy paste without permission

جیسے کہ اپنی ذات کی خاطر بھی

میں نے کچھ نہیں چھوڑا

مجھے تم سے فقط تم سے محبت ہے

اور اس میں ایسی شدت ہے

کہ میری دھڑکنیں ہر لحظ کہتی ہیں

مجھے تم سے محبت ہے

محبت تم بھی کرتی ہو

Don’t copy paste without permission

مگر بس فرق اتنا ہے

تمہیں تو صرف اپنے آپ سے ایسی محبت ہے

تمہیں تو صرف اپنی ذات سے اتنی محبت ہے

ذرا فرصت نہیں ملتی تمہیں

میری محبت میری چاہت

میری شدت کی طرف

Don’t copy paste without permission

بس اک نظر بھی ڈال لینے کی

سو میری جان محبت تم بھی کرتی ہو

مگر بس فرق اتنا ہے

اریب سمیت سب اس کی آواز کے سحر میں گم ہو چکے تھے۔

* * *

''کہاں تھی تم پچھلے دو روز سے مال روڈ کے چکر کاٹ رہا ہوں۔'' وہ خفا خفا سا اس کے سامنے کھڑا تھا۔

Don't copy paste without permission

''کیوں ؟'' عجیب سوال تھا شہروز کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

''کیوں تم میرے لئے دو دن سے خوار ہو رہے ہو کیا لگتی ہوں میں تمہاری کیا تعلق ہے مجھ سے۔'' وہ اپنا سوال دوہرا رہی تھی، شہروز نے اس کے دونوں بازو تھام لئے، پاس سے گزرتے من چلو نے زور سے سیٹی بجائی تھی۔

''آئی لو یو۔'' اس نے کہہ دیا وہ اس کے ہاتھ جھٹک کر گھر چلی آئی راستے میں بارش ہو گئی تھی اس کا لباس بھیگ گیا، کمرے میں زیان تھا۔

''تم؟'' وہ دم بخود رہ گئی۔

Don't copy paste without permission

''میں ایک فائل بھول گیا تھا وہی لینے آیا ہوں۔'' کہہ کر وہ اس کے بے حد قریب آن کھڑا ہوا تھا اریب بے ساختہ ایک قدم پیچھے ہٹی تھی زیان نے اس کی کلائی تھام لی۔

''تم شاید بارش کی وجہ سے رکے تھے وہ تھم چکی ہے۔'' ہکلاتے ہوئے اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا زیان کی نظریں ہنوز اس کے سراپے سے الجھ رہی تھی جو بھیگ کر اور بھی دلنشین ہو گیا تھا۔

''اریب تم مجھ پہ اتنا ستم کیوں کر رہی ہو بہت محبت کرتا ہوں تم سے، دل کیا تھاہ گہرائیوں سے میں نے تمہیں چاہا ہے تم میری چاہتوں کی انتہا ہو میرے پاس ہو کر بھی تم میلوں دور کھڑی ہو تمہیں اتنے پاس دیکھتا ہوں تو میرے لئے فاصلے رکھنا مشکل ہو جاتا ہے میں اب تم سے دور نہیں رہ سکتا۔'' اریب کی دھڑکنیں منتشر ہوتی جا رہی تھیں، کیا دونوں کو آج ہی اظہار کرنا تھا۔

Don't copy paste without permission

''چھوڑو مجھے۔'' وہ ایک جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑوا کر دور چلی گئی۔

''تم زبردستی مجھے حاصل نہیں کر سکتے۔''

''زبردستی میں تمہیں حاصل کر سکتا ہوں رابی، مگر کیا تمہیں اب بھی لگتا ہے کہ میں تمہیں زبردستی اپنانا چاہتا ہوں۔'' وہ ایک پر شکوہ سی نگاہ اس پر ڈالتا باہر نکل گیا۔

''میرے خدا۔'' اس نے اپنا سر تھام لیا تھا
صبح سے اس کے کئی مسیج آ چکے تھے۔

''گڈ مارننگ۔''

Don't copy paste without permission

''اب اٹھ بھی جاؤ۔''

''کوئی تمہارا منتظر ہے۔''

''بس مجھے ابھی کہ ابھی نظر آؤ میں اتنی خوبصورت صبح کو تمہارے ساتھ دیکھنا چاہتا ہوں۔'' اور کچھ ہی دیر میں اس کے سامنے تھی۔

''تم اب سے پہلے کہاں تھی اریب۔'' وہ پہاڑ کی اونچی ڈھلوان پر بیٹھے تھے۔ اور وہ اس کے قدموں میں بیٹھا اس کا ہاتھ تھامے پوچھ رہا تھا۔

''ستاروں میں۔'' وہ کھلکھلائی۔

Don't copy paste without permission

''اب سوچتا ہوں کیسے تمہارے بغیر برسوں سے جی رہا تھا اب تو تمہارے بغیر ایک پل نہیں گزرتا دل چاہتا ہے بس ہر پل ہر لمحہ تم ساتھ رہو۔''

''اچھا۔'' وہ یکدم اداس ہو گئی کیا وہ اسے بتا دے کہ وہ شادی شدہ ہے اس نے سوچا ضرور مگر زبان ساتھ نہ دے سکتی۔

''ہاتھ دکھاؤ۔''

''کیوں؟''

''دکھاؤ تو سہی۔'' وہ بضد تھا، اریب نے دایاں ہاتھ بڑھا دیا۔

Don't copy paste without permission

شہروز نے اپنے ہاتھوں سے اس کی کلائی پر ایک خوبصورت سا وائیٹ گولڈ بریسلٹ سجا دیا تھا جس کے پھولوں میں ہیرے دمک رہے تھے۔

''ہماری محبت کا پہلا تحفہ۔''

''یہ تو بہت مہنگا ہے میں نہیں لے سکتی۔''

''محبت سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھنا۔'' وہ گھر آئی تو روشنی اور اجالا کاٹیج کے باہر منہ پھلائے بیٹھی تھیں۔

''کہاں تھی تم، جانتی ہو دو گھنٹے سے یہاں بیٹھے سوکھ رہے ہیں۔''

''اچھا اندر تو آؤ۔'' دونوں سے مل کر وہ دروازہ کھولنے لگی تھی۔

Don't copy paste without permission

* * *

آج اس کا کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا لاہور سے کال آئی تھی امی، آپا اور بھابھی کا ہر بار ایک ہی سوال ہوتا تھا۔

''ہے کوئی خوشخبری۔'' اسے خود بھی بچے کتنے پسند تھے، مگر اریب کا رویہ، وہ تو سیدھے منہ بات کرنے کی بھی روادار نہیں تھی۔

''بس بس بات مت کرو مجھ سے روز کے بہانے۔'' ڈاکٹر ماریہ با آواز بلند بولتے ہوئے اندر آئی تو اس کی الجھی بکھری منتشر سوچوں کا تسلسل ٹوٹا۔

''ماریا میری بات تو سنو۔'' پیچھے پیچھے ڈاکٹر کاشف تھا اس کو مناتا ہوا۔

Don't copy paste without permission

''مجھے تمہاری کوئی وضاحت بھری بکواس نہیں سننی۔'' وہ تڑخ کر کہتے ہوئے اپنی سیٹ سنبھال چکی تھی، کاشف نے مدد طلب نظروں سے اسے دیکھا۔

''کیا ہوا ماریا؟'' زیان کو مداخلت کرنا پڑی۔

''اب تم ہی بتاؤ یہ جھوٹا مکار، فریبی شخص معافی کے قابل ہے کہ نہیں۔''

''حد ادب لڑکی شوہر ہوں تمہارا۔''

Don't copy paste without permission

''پتہ تو چلے ہوا کیا ہے۔'' عرفان نے کاشف کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے استفسار کیا وہ ابھی ان کے پیچھے ہی آیا تھا۔

''تم تو خاموش رہو، ہماری ناک کے نیچے عشق لڑایا اس ڈاکٹر احسان رضا کی نک چڑھی بیٹی کے ساتھ اور اب آئے ہیں منگنی کا دعوت نامہ لے کر۔'' توپوں کا رخ عرفان کی سمت مڑ چکا تھا۔

''اب کوئی الف لیلیٰ تو تھی نہیں جو...''

''لیلیٰ مجنوں کہو نکمے لڑکے سب خبر ہے مجھے۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولی اب کی بار عرفان کان کھجانے لگا، زیان کو ہنسی آگئی۔

''اس کو چھوڑو اپنی بتاؤ۔''

Don't copy paste without permission

''کل رات مجھے فون کیا تیار رہنا ڈنر باہر کریں گے میں گیارہ بجے تک انتظار کرتی رہی موصوف بارہ بجے تشریف لائے اور آتے ہی ''میں بہت تھک گیا ہوں''کہہ کر جا سوئے اتنا خراب موڈ تھا میرا اور اس نے منایا بھی نہیں۔''

''ہاں تو رات کے اس وقت تم سے بات کرنا بھیڑوں کے چھتوں کو چھیڑنے کے مترادف تھا اور میں یہ رسک نہیں لے سکتا تھا۔''

کتنی محبت ہے دونوں میں زندگی سے بھرپور نوک جھونک، کبھی روٹھنا کبھی منانا ہیپی فیملی، اس نے رشک بھری نظروں سے دونوں کو دیکھا۔

Don't copy paste without permission

کاشف نے اس کے بالوں سے کیچڑ اتار دیا تھا جس پر وہ ہاتھ میں پکڑی فائل اسے مار رہی تھی۔

''میں تو کہتا ہوں ماریہ اب کبھی اس سے بات مت کرنا قدر ہی نہیں ہے اسے تمہاری، ذرا جو احساس ذمہ داری نام کی چیز ہو جانتی ہو رات دس بجے میں نے اسے کسی لڑکی کے ساتھ ڈنر کرتے ہوئے کیفے میں دیکھا تھا مجھے تو لگا تھا کہ تم ہو مگر...''

یہ کیسے ممکن تھا دونوں کی جنگ میں زوہیب اپنا حصہ ڈالنے سے محروم رہ جائے ماریہ آنکھیں پھیلائے اسے سن رہی تھی۔

Don't copy paste without permission

''زوہیب کے بچے۔'' کاشف نے کرسٹل کا گلدان اٹھایا ہی تھا کہ وہ اٹھ کر بھاگ گیا، ڈاکٹر عرفان کو ایمرجنسی کیس آگیا تھا، جبکہ کاشف اور ماریہ کی نوک جھونک ابھی بھی جاری تھی، زیان کا دل مزید اداس ہو گیا۔

.....

''السلام علیکم!'' گھر میں اجالا اور روشنی آئی ہوئی تھیں، لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس نے با آواز بلند سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام!'' دونوں احتراماً اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''اور سناؤ کیا حال ہے؟'' وہ وہیں ان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا، اریب انہیں باتوں میں مشغول چھوڑ کر کچن میں چلی آئی تھی۔

Don't copy paste without permission

کھانا بنانے اور میز پر لگانے کے بعد اس نے دونوں کو پکارا تھا۔

''اٹھ جاؤ بھئی وہ دوسری بار آواز دینے کی بجائے کھانا اٹھا دے گی۔'' اجالا نے اٹھتے ہوئے روشنی اور زیان سے کہا تو وہ دونوں فوراً اٹھ گئے۔

''اللہ، اریب آج تم ہماری میزبان ہو یقین نہیں آ رہا۔'' روشنی نے اسے چھیڑا تھا وہ مسکرا دی۔

''کیوں تمہیں میرا یہ سب کرنا اچھا نہیں لگ رہا۔''

''مجھے تو روحانی خوشی ہو رہی ہے تمہیں یہ سب کرتے دیکھ کر، پتہ ہے زیان بھائی اس نے کالج جانا ہوتا تھا اور پریڈ پورے گھر میں ہماری لگوایا

Don't copy paste without permission

کرتی تھی، اجالا میرے کپڑے استری کر دو، امی میرے بال بنا دو، روشنی میرا ناشتہ لاؤ، ابو اب جلدی اٹھ جائیں مجھے دیر ہو جائے گی۔'' روشنی باقاعدہ اس کی نقلیں اتار رہی تھی۔

اریب نے چور نظروں سے زیان کو دیکھا وہ ان کی باتوں پر محض مسکرا رہا تھا، وہ مطمئن سی ہو کر کھانے سے انصاف کرنے لگی، ورنہ خدشہ تھا زیان کوئی شکایت نہ کر دے۔

''مگر سچ پوچھو نا اریب تو ساری رونق تمہارے ہی دم سے تھی، تم ہر وقت کسی نہ کسی بات پر امی کا میٹر گھمائے رکھتی تھی اب تو وہ کسی کو ڈانٹتی بھی نہیں اور ابا بھی تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔'' اجالا نے بڑی محبت سے اسے دیکھا تھا اسے بھی ابا بہت یاد آتے تھے۔

.....

Don't copy paste without permission

آج اس کا آف تھا سو وہ ایک لمبی بھرپور نیند لے کر صبح گیارہ بجے کے قریب بیدار ہوا تھا کھڑکیوں سے پردے ہٹا کر باہر جھانکا تو موسم کی دلفریبی عروج پر تھی مطلع آج صاف تھا ہلکے ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے۔

اس کی نظریں آسمان سے بھٹکتی ہوئیں لان میں کھڑی اریب سے جا ٹکرائیں پہاڑ، وادیاں، جھرنے، پھول، جھیلیں وہ سب سے زیادہ خوبصورت تھی آج اس نے پہلی بار ڈیپ فیروزی رنگ پہنا تھا جس میں اس کی دودھیا شفاف رنگت سونے کی مانند دمک رہی تھی، لمبے گھنگھریالے بالوں سے بوند بوند برستا ساون گھاس کی لڑیوں میں جیسے موتی ٹانک رہا تھا۔

تم جو رنگ پہنو

Don’t copy paste without permission

وہ موسم کا رنگ

تم جس پھول کو دیکھو

وہ کبھی نہ مرجھائے

تم جس لفظ پہ ہاتھ رکھ دو

وہ روشن ہو جائے

تم ایک بار مجھے ہنس کر پکارو

میری زندگی میں سحر ہو جائے

Don’t copy paste without permission

وہ مبہوت سا اسے دیکھے جا رہا تھا۔

''اٹھ گئے آپ۔'' اس کے ساتھ اجالا کھڑی تھی۔

''صبح سے آپ کا ہی انتظار تھا جلدی سے تیار ہو جائیں اور ہمیں اپنا شہر دکھائیں۔'' اور زیان فوراً گاڑی نکال لایا تھا، مگر عین وقت پہ اریب نے انکار کر دیا۔

''ہیں کیوں بھئی۔'' سب پوچھتے ہی رہ گئے۔

''سر میں درد ہے۔'' وہ بہانہ بنا کر لیٹ گئی اسے خدشہ تھا کہیں شہروز نہ مل جائے۔

Don't copy paste without permission

''کہاں ہو تم؟'' اور کچھ دیر بعد اس کا میسج چلا آیا۔

''میں آج نہیں آسکتی میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''کیوں کیا ہوا؟''

''ٹمپریچر ہو رہا ہے۔''

''اچھا مجھے اپنے کاٹیج کا پتہ بتاؤ میں آرہا ہوں۔'' اس کے استفسار پر وہ اچھل کر رہ گئی۔

''نہیں نہیں تم یہاں مت آنا میرے ساتھ اور بھی لڑکیاں رہتی ہیں۔''

Don't copy paste without permission

''تو کیا ہوا؟'' وہ برا مان گیا تھا۔

''نہیں تم نہیں آؤ گے بس۔'' وہ قطعیت سے بولی۔

''اچھا دو روز بعد میرا برتھ ڈے تب میں کوئی بہانہ نہ سنوں۔''

''دو روز بعد۔'' اس نے دل میں سوچا تب تک تو اجالا اور روشنی جا چکی ہوں گی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' اس نے کہہ کر فون رکھ دیا اور پھر بیٹھ کر ان پیسوں کا جوڑ توڑ کرنے لگی جو زیان ہر مہینے اسے دیا کرتا تھا۔

Don't copy paste without permission

''اریب یہ بریسلیٹ کس کا ہے۔'' میز پہ برتن سیٹ کرتے ہوئے اچانک ہی زیان کی نگاہ اس کی کلائی سے ٹکرائی تھی اور وہ ہیروں کا چمکتا دمکتا بریسلیٹ دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔

''میرا ہے۔'' وہ یکدم گھبرا گئی تھی۔

''ڈائمنڈ ہے۔'' وہ مزید حیران ہوا۔

''نہیں یہ تو امیٹیٹز ہے۔'' خود کو لاپرواہ ظاہر کرتے ہوئے وہ اب پلیٹ میں سالن نکال رہی تھی۔

''لگتا تو نہیں۔'' زیان کا دھیان ہنوز بریسلیٹ میں اٹکا ہوا تھا۔

Don't copy paste without permission

دو روز بعد اس نے مال روڈ سے شہروز کے لئے ایک شرٹ اور J&D کا پرفیوم خریدا تھا اور اب اس کے ساتھ اس کی گاڑی میں موجود تھی۔

''پورے تین دن بعد کہیں جا کر اپنی جھلک دکھائی ہے۔'' وہ وارفتگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا، اریب کی نظریں جھک گئیں۔

جانے کیسا عجیب سا احساس تھا شہروز کی آنکھوں میں جیسے دل میں کہیں چٹکیاں لیتا ہوا دھمکاتا ہوا یا پھر یہ باور کرواتا ہوا کہ کہاں کس کی گاڑی میں بیٹھ گئی ہو اور پھر خالی لاؤنج دیکھ کر وہ شاکڈ رہ گئی تھی۔

''باقی سب مہمان کہاں ہیں؟''

Don't copy paste without permission

''میں اپنی برتھ ڈے صرف تمہارے ساتھ انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔''
شہروز نے اسے شانوں سے تھام لیا تھا وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹی۔

''کیا ہوا ڈر کیوں رہی ہو۔''

''میں کیوں ڈروں گی۔'' دل و دماغ میں جیسے کوئی سائرن بجنے لگا تھا اس نے خود کو بہادر ثابت کرنے کے لئے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے استفسار کیا۔

''ہاں وہی تو میں کوئی ڈریکولا تھوڑی ہوں۔'' وہ خوامخواہ میں ہنسا۔

Don't copy paste without permission

''مجھے یہاں کا ماحول اچھا نہیں لگ رہا کہیں اور چلتے ہیں۔'' اس نے کہہ کر دروازے کی سمت قدم بڑھا دیے تھے شہروز نے اچک کر اس کی کلائی تھام لی۔

''چلی جانا ابھی اتنی جلدی بھی کیا ہے۔'' وہ اس کے مزید قریب ہوا تھا اریب نے جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑوانا چاہی مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔

''تم اتنے نخرے کیوں دکھا رہی ہو یہی تو ہوتا ہے پیار، اس کے لئے تو تم میرے قریب آئی تھی میری قربت کی کشش نے ہی تو تمہیں میری جانب متوجہ کیا تھا پھر اب کیا پرابلم ہے۔'''' شہروز۔'' وہ محض اتنا ہی بول پائی تھی۔

Don't copy paste without permission

''یار شادی تو ہمیں کرنی ہے تو پھر...'' اگلے ہی لمحے اریب نے ایک زناٹے دار تھپڑ اسے رسید کیا تھا۔

''گھٹیا انسان۔'' ساتھ ہی قریب پڑا کرسٹل کا گلدان بھی وہ اسے مار چکی تھی، شہروز کے ہاتھ سے اس کی کلائی چھوٹ گئی اور یہی ایک لمحہ اس کے فرار کا سبب بن گیا تھا۔

لیکن راستے سمجھ میں نہیں آرہے تھے، جلد بازی میں بھاگتے دوڑتے وہ بہت دور نکل آئی تھی جانے یہ کون سا علاقہ تھا، سانپ کی مانند بل کھاتے راستے، سنسان سڑکیں، پہاڑ، گھاٹیاں، اس پر اندھیرے قدم بہ قدم اجالوں کو نگلتے جا رہے تھے شام سے رات ہونے والی تھی، وہ جب تھک گئی تو وہیں ایک درخت کے سائے میں بیٹھ کر رونے لگی۔

''زیان مجھے لے جاؤ واپس۔'' آخری بار وہی شخص یاد آیا تھا اور پھر وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو کر گر گئی تھی۔

.....

Don't copy paste without permission

''اریب اٹھو۔'' عالم غنودگی میں اسے احساس ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی اس پر جھکا اسے پکار رہا ہو، چند لمحوں میں اس کا ذہن بیدار ہوا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''شکر ہے تمہیں ہوش آگیا۔'' سامنے زیان تھا۔

''بخار ابھی باقی ہے۔'' تھرمامیٹر اس کے منہ میں ڈالنے کے بعد اب وہ اسے چیک کر رہا تھا۔

''یہی تو ہے پیار جس کے لئے تم میرے قریب آئی تھی۔'' لفظوں کی بازگشت پورے وجود پر ہتھوڑوں کی مانند برس رہی تھی وہ بے کل سی ہو کر اٹھ بیٹھی۔

''تو مس اریب یہ تھا تمہارا آئیڈیل۔'' کوئی اس پر زور سے ہنسا تھا اریب نے ہاتھ کانوں پر رکھ لئے اور زور سے آنکھیں میچ لیں۔

Don't copy paste without permission

''اب جلدی سے یہ سوپ پیو پھر تمہیں زبردست قسم کا ناشتہ بھی کراؤں گا۔'' زیان نے گرم گرم سوپ اس کی جانب بڑھایا تو وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی کتنی شرافت و پاکیزگی اور چاہت جھلکتی تھی ان میں، اس نے وحشت زدہ سا ہو کر پلکیں جھکا لیں دل کی دنیا میں ایک تلاطم برپا ہو چکا تھا، شہروز کے ساتھ گزرا ہر لمحہ اذیت دینے لگا تھا۔

''یہ بہت اچھا نہیں ہے لیکن میں نے کوشش کی ہے۔'' زیان نے ایک چمچ اس کی جانب بڑھایا، اریب کی آنکھوں میں سنگریزے چبھنے لگے۔

''تم ہاسپٹل نہیں گے۔'' وہ اپنی توجہ ہٹانے کو بولی۔

''اب تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر چلا جاتا۔'' وہ برا مان گیا اور اس کا یہ اپنائیت بھرا التفات اریب کی بے حسی کے احساس کو جھنجھوڑ کر رکھ گیا تھا، گود میں رکھا باؤل پوری قوت سے فرش پر مارتے ہوئے وہ جیسے پھٹ پڑی۔

Don't copy paste without permission

''مت کرو مجھ سے اتنی محبت، اس کے قابل نہیں ہوں میں۔'' زیان اپنی جگہ ساکت رہ گیا اسے لگا وہ اس وقت اپنے حواسوں میں نہیں ہے۔

* * *

شام میں ماریہ اور کاشف آئے تھے اس کی خیریت معلوم کرنے، انہیں ہی وہ کل رات سڑک کنارے بے ہوش ملی تھی۔

ماریہ کچھ دنوں سے میکے میں تھی کاشف اسے لے کر واپس آ رہا تھا دونوں میں حسب معمول جھگڑا چل رہا تھا۔

وہ خفا ہو رہی تھی، کہ ابھی اسے کچھ دن مزید رہنا ہے وہ اتنی جلدی کیوں لینے آیا ہے کاشف کی وضاحتیں۔

''اتنے دنوں سے میں نے ڈھنگ کا کھانا نہیں کھایا، کپڑے روز اٹھ کر خود استری کرو، کبھی شوز نہیں ملتے کبھی ٹائی غائب، جانتی ہو ایک فائل ڈھونڈنے کے چکر میں ساری کتابیں بکھر گئی تھیں چائے چولہے پہ چڑھاؤ تو بریڈ جلنے لگتا ہے اسے ٹوسٹر سے نکالا چائے ابل کر رہ گئی آملیٹ میں نمک

Don't copy paste without permission

تیز... اف تم سوچ نہیں سکتی پوری لائف ڈسٹرب ہو کر رہ گئی تھی۔''

کاشف نے بے ساختہ اس کے آگے ہاتھ جوڑے تو اس نے مسکراہٹ ضبط کرنے کی کوشش میں منہ گھما لیا تبھی اس کی نگاہ اس وجود سے ٹکرائی تھی۔

''کاشف گاڑی روکو۔'' عجلت میں اس نے اسٹیرنگ پہ ہاتھ مارا۔

''کیوں کیا ہوا؟'' وہ گاڑی روکے بغیر اطمینان سے بولا۔

''وہاں سڑک پر کوئی تھا۔''

''دیکھ چکا ہوں اور تم جانتی ہو یہ علاقہ کتنا خطرناک ہے۔''

''ہمیں اس کی ہیلپ کرنی چاہیے۔''

''مجھے ایسی نیکی کا کوئی شوق نہیں جو الٹا گلے پڑ جائے۔''

''شرم کرو ڈاکٹر ہو تم۔'' وہ ذرا جو متاثر ہوئی ہو اس کے مصنوعی رعب سے۔

''پتہ ہے مجھے۔'' وہ بھی گاڑی چلاتا رہا۔

Don't copy paste without permission

''کاشی پلیز۔'' وہ اب منت پر اتر آئی تھی۔

''افوہ۔'' اسے ریورس گھمانا ہی پڑا۔

''یہ تو اریب ہے زیان کی بیوی۔'' ٹارچ سے اس کی شناخت کرنے کے بعد وہ واپس گاڑی میں آیا تھا۔

''اریب اور یہاں۔'' وہ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے فوراً گاڑی سے اتری پھر کاشف کے ساتھ مل کر اسے گاڑی میں بٹھایا۔

''بی پی لو ہونے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی ہے زیادہ فکر مندی والی بات نہیں ہے تم زیان کے گھر کی سمت چلو۔'' ماریہ نے اسے چیک کرنے کے بعد کاشف کو ہدایات دیں تو اس نے سر ہلاتے ہوئے گاڑی زیان کے گھر کی جانب موڑ دی۔

وہ گھر کی دہلیز پہ بیٹھا اسی کا منتظر تھا آج سے قبل وہ اتنا لیٹ کبھی نہیں ہوئی تھی۔

Don't copy paste without permission

اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ آج اس کا بالکل لحاظ نہیں کرے گا وہ اس کی دی ہوئی آزادی کا کچھ زیادہ ہی ناجائز فائدہ اٹھا رہی تھی لیکن اسے کاشف اور ماریہ کے ساتھ یوں ہوش و خرد سے بیگانہ دیکھ کر وہ اپنا سارا غصہ بھول گیا تھا وہ بخار میں پھنک رہی تھی اور وہ رات بھر اس کی پٹی سے لگ کر بیٹھا رہا تھا۔

لیکن اریب کی باؤل پھینکنے والی حرکت نے جیسے اسے کنگ سا کر دیا تھا اور اب تو اسے یقین ہو چکا تھا کہ وہ اس کے ساتھ بالکل بھی خوش نہیں ہے اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اسے آزاد کر دے گا۔

***

ڈھلتے سورج کی لالیاں شفق میں گھلی روپہلے سنہری دن کو خیرباد کہہ رہی تھی وہ کھڑکی سے سر ٹکائے اپنے اپنے آشیانوں کو لوٹتے پرندوں کی قطاریں دیکھنے لگی۔

Don’t copy paste without permission

''مجھے بھی اب لوٹنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ بہت اندھیرا ہو جائے اور اس اندھیری رات کی سیاہی میرے وجود کو چھو لے پھر اس کالک کے ساتھ بھلا کون مجھے قبول کرے گا مگر میں اس سے کیا کہوں۔'' وہ بے بسی سے اسٹڈی کے بند دروازے کو دیکھنے لگی اس کے دل کے تمام تر دروازے کھول کر اب خود دروازہ بند کیے بیٹھا تھا۔

اس کا جی چاہا وہ دو کپ چائے بنائے اور زیان کے ساتھ اس کھڑکی میں کھڑے ہو کر وہ ساری باتیں سنے جو وہ اسے سنانا چاہتا تھا۔

کچھ سوچ کر اس نے سر جھٹکا اور دروازہ کھول کر اندر چلی آئی، وہ کسی بک کے مطالعے میں محو تھا۔

''کچھ چاہیے۔'' اس نے کتاب کا صفحہ موڑ کر ایک جانب رکھ دی اور مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''میرا دل نہیں لگ رہا کہیں باہر چلیں۔''

''پہلے تو اکیلے ہی جاتی تھی۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی جتا گیا۔

Don't copy paste without permission

''ہاں مگر اکیلے مجھے راستہ بھول جاتا ہے اور میں اب بھٹکنا نہیں چاہتی۔''

اور وہ اٹھ ہی گیا۔

''باہر بہت سردی ہے کوئی شال اوڑھ لو۔'' ریڈ کلر کے سوٹ میں وہ زیان کو اتنی کیوٹ لگی تھی کہ اس کا دل نہیں چاہا تھا کہ اس ریشمی لباس اور شفون کے باریک دوپٹے میں اس کے سوا کوئی اور اسے دیکھے، اریب نے خاموشی کے ساتھ اس کی بات مان لی تھی، وہ حیران تو ہوا تھا مگر خوش فہم نہیں۔

راستہ بھر دونوں کے مابین خاموشی کا طویل وقفہ حائل رہا تھا جسے سگنل پہ کھڑے اس معصوم بچے نے توڑا۔

''صاحب! میڈم کے لئے پھول لے لو۔'' اس کے ہاتھوں میں تازہ کھلے ہوئے موتیے کے گجرے تھے کچھ ادھ کھلے گلابوں کی کلیاں تھیں، زیان مبہم سا مسکرادیا۔

''چھوڑو یار تمہاری میم صاحب کو پھول پسند نہیں ہیں۔''

Don't copy paste without permission

''پسند گزرتے وقت کے ساتھ بدل بھی تو جاتی ہے۔'' وہ اسے ٹوکتے ہوئے بولی تو زیان نے سارے پھول خرید کر اس کا دامن بھر دیا تھا۔

اریب کو لگا وہ دن دور نہیں جب ان کی خوشبو سے زندگی کا ہر پل مہکے گا اور ساری آرزوئیں بکھر جائیں گی۔

کے ایف سی کے شاندار ماحول میں وہ مینیو کارڈ ہاتھوں میں لئے، لسٹ پہ نظر دوڑا رہی تھی، جب ''السلام علیکم ڈاکٹر صاحب!'' کی آواز اس کے کہیں بہت قریب سے ابھری نظریں اٹھا کر دیکھا تو اپنی جگہ پتھر ہو کر رہی گئی، وہ زیان سے مصافحہ کرتا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''یہ آپ کی...''

''میری مسز ہیں۔'' زیان کو نہ چاہتے بھی تعارف کروانا پڑا اریب کی رنگت پل میں ہلدی کی مانند زرد ہو چکی تھی وہ دو چار باتیں کرنے کے بعد چلا گیا لیکن دھیان اریب میں ہی اٹکا رہا تھا۔

''کون تھا یہ۔'' اسے اپنی ہی آواز اجنبی سی لگی۔

Don't copy paste without permission

''اس علاقے کا جاگیردار خان ولی احمد کا اکلوتا عیاش رئیس زادہ ہے اور کیا منگواؤں۔'' وہ شاید کچھ اور بھی کہنے والا تھا جب اریب نے ٹوک دیا۔

''گھر چلیں۔'' اور وہ حیرانی سے اسے دیکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

اگلی صبح وہ اٹھا تو سب کام ریڈی تھے استری شدہ کپڑے، پالش جوتے اور ناشتہ تیار، یہاں سے وہاں گھومتی وہ تمام کام جلدی جلدی نمٹا رہی تھی وہ کسی خواب میں گھرنا نہیں چاہتا تھا مگر اسے یہ سب اچھا لگ رہا تھا بہت اچھا۔

پراٹھا کچھ کچا پکا سا تھا آملیٹ ٹھیک ہاں چائے اچھی تھی وہ منہ کے زاویے بگاڑے بغیر کھا کر چلا گیا۔

اور وہ کتنی ہی دیر بیٹھی اس کی سعادت مندی پر ہنستی رہی برتن اور صفائی سے فراغت کے بعد وہ لاؤنج کی ڈسٹنگ کر رہی تھی جب فون کی بیل نے اس کی توجہ کھینچی۔

Don't copy paste without permission

''ہیلو۔'' اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور دوسری جانب کی آواز سن کر اس کے ہاتھ سے کرسٹل کا گلدان گر گیا۔

''کیسی ہیں مسز زیان ملک۔'' وہ ریسیور کریڈل پہ رکھ کر وہیں صوفے پر ڈھیر ہو گئی دل معمول سے ہٹ کر دھڑکنے لگا تھا

کل رات بھی اس کے سیل فون میں کال آئی تھی اس نے سم نکال کر موبائل لاکر میں رکھ دیا تھا۔

اور اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح، فون کی بیل پھر سے بجنے لگی تھی اور پھر وہ وقفے وقفے سے سارا دن بجتا ہی رہا آج اسے اپنی حماقت کا احساس ہو رہا تھا، آنے والے لمحوں میں چھپے طوفان کی آہٹیں اس کا دل ہولا رہی تھی اب جانے کیا کچھ بکھرنے والا تھا۔

* * *

''کیا چاہتے ہو تم آخر مجھ سے۔'' تین روز سے یہ بلی چوہے کا کھیل جاری تھا کبھی آنسرنگ پر پیغامات آرہے تھے تو کبھی دن بھر فون کرتا رہتا وہ

Don't copy paste without permission

تنگ آکر لیڈ نکال دیتی پھر زیان کا مسئلہ ہوتا کہ اگر اس نے گھر فون کر دیا تو اپنی اس حرکت کا کیا جواز دے گی۔

اب بھی وہ کچن میں کھانا بنا رہی تھی اور مسلسل چنگھاڑتی اس بیل نے اس کا خون کھولا دیا تھا۔

''میں تو بس تمہیں چاہتا ہوں۔'' دوسری جانب اس کی بے بسی کا مزہ لیتے ہوئے وہ خوب والہانہ انداز میں بولا تھا۔

''بند کرو بکواس۔'' وہ درشتی سے چلائی۔

''کبھی تو اس بکواس کے لئے دوڑی چلی آتی تھی۔'' اس کا طنزیہ چبھتا ہوا سا لہجہ، اریب نے دانت پیستے ہوئے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کی۔

''تم جیسے آوارہ راہ چلتے پر اعتماد کرنے کی سزا بھگت رہی ہوں۔''

''سزا تو ابھی باقی ہے میری جان۔''

''دیکھو میرا پیچھا چھوڑ دو۔''

''چھوڑ دوں گا مگر اک شرط ہے۔''

Don't copy paste without permission

''مجھے تمہاری کسی شرط سے غرض نہیں۔''

''جو لمحہ ادھورا چھوڑ گئی ہو بس اسے مکمل کر دو۔'' اس کی ڈیمانڈ، اریب سرتاپا سلگ اٹھی۔

''میں کیا تمہیں راستے میں پڑی نظر آتی ہوں۔''

''تمہیں راستے میں لانا میرے لئے مشکل بھی نہیں ہے۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر خباثت سے مسکرایا۔

''تم مجھے بلیک میل کر رہے ہو۔''

''نہیں میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ تمہارے پاس انکار کی گنجائش نہیں ہے اب بتاؤ کب آؤ گی یا پھر میں آجاؤں ڈاکٹر صاحب تو آج گھر آنے والے نہیں ہیں۔'' اور اریب کا سانس گویا اندر ہی کہیں رک گیا وہ اتنا باخبر تھا کیسے۔ اس نے بھاگ کر ساری کھڑکیاں، دروازے بند کیے اسی وقت لائیٹ چلی گئی تھی وہ سکڑ سمٹ کر لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھ گئی، کئی بار زیان کا نمبر ٹرائی کیا۔

Don't copy paste without permission

ہر بار اپنی مخصوص ٹون میں آپریٹر اپنا پیغام سنانے لگتی تھی۔

''اف میرے خدا۔'' اس نے سر تھام لیا۔

فون پھر سے بجنے لگا تھا اس نے لیڈ نکال کر پھینک دی، کچھ ہی لمحوں بعد، دروازے پر بڑی زور سے دستک ہوئی تھی اس نے سراسیمہ سا ہو کر دونوں کانوں پہ ہاتھ رکھ لئے، دستک لمحہ بہ لمحہ بڑھتی گئی، پھر اس کے ساتھ اک صدا بھی بلند ہوئی۔

''اریب کہاں ہو تم۔'' اس سے ہلا تک نہ گیا۔

''رابی میں ہوں زیان۔''

''زیان!'' اس کے لب دھیرے سے ہلے وہ اٹھی اور بھاگ کر دروازہ کھول دیا وہ ٹارچ ہاتھ میں لئے کھڑا تھا۔

''کہاں تھی تم کب سے، دروازہ بجا ...'' دھیان اس کی متورم آنکھوں اور بھیگی بھیگی پلکوں پہ پڑا تو ٹھٹک گیا۔

''کیا ہوا ہے؟''

Don't copy paste without permission

''زیان وہ...'' اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا بے اختیار اس کے سینے سے جا لگی اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

اس وقت لائیٹ بھی آ گئی تھی پورا لاؤنج روشنیوں میں نہا گیا وہ اسے ساتھ لگائے لاؤنج میں لے آیا صوفے پر بٹھا کر پہلے اس کے آنسو صاف کیے اور پھر پانی کا گلاس بھر لایا۔

''اب بتاؤ کیا ہوا؟''

''میں ڈر گئی تھی۔'' اتنے میں اسے بھی خود کو سنبھالنے کا موقع مل گیا تو کسی حد تک سچ بتا دیا زیان نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔

''کاش یہ ڈر تمہیں میری موجودگی میں بھی لگا کرے اسی بہانے پاس تو رہا کرو گی۔''

''زیان۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

Don't copy paste without permission

''اچھا بھئی اپنے گھر میں ڈرتے نہیں دروازہ لاک کر لو میں ایک فائل لینے آیا تھا شب بخیر۔'' بروقت اسے احساس ہوا کہ وہ لیٹ ہو رہا ہے سو فوراً اٹھ گیا۔

''نہیں پلیز تم مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔'' وہ اس کے راستے میں حائل ہو چکی تھی۔

پہلے تو بڑی خوش ہوتی تھی میری غیر موجودگی سے، اب ایسی کیا افتاد آن پڑی ہے کہ اکیلے نہیں رہ سکتی۔'' وہ زچ ہو اٹھا تھا اس کے پل پل بدلتے رنگوں سے۔

''مجھے ڈر لگ رہا ہے بس۔''

''ضروری کیس ہے میں لیو نہیں لے سکتا، چلو تمہیں ماریہ کے ہاں ڈراپ کر دوں ڈاکٹر کاشف بھی آج نائیٹ ڈیوٹی پر ہے تمہیں صبح واپس پک کر لوں گا۔''

* * *

Don't copy paste without permission

ماریہ کے گھر وہ آج پہلی بار آئی تھی وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی ویسے بھی وہ مزاجاً کافی باتونی اور خوش اخلاق لڑکی تھی۔

اریب کا دل بہل سا گیا مگر فرار اس مسئلے کا حل نہیں تھا وہ کب تک خود کو یوں بچا سکتی تھی۔

اس نے اپنا سیل فون چیک کیا رات سے اب تک کوئی فون یا ایس ایم ایس نہیں آیا تھا۔

شدید حیرت کے ساتھ ساتھ اک اطمینان سا اس کے اندر اترتا یکدم اسے پرسکون سا کر گیا تھا اسی طرح دو دن گزر گئے اور پھر ایک ہفتہ، شہروز نے دوبارہ کوئی رابطہ نہیں کیا تھا اسے لگا وہ اسے بھول چکا ہے، مگر یہ اس کی بھول تھی۔

* * *

Don’t copy paste without permission

''کھانا تو دھیان سے کھاؤ۔'' زیان کب سے اسے دیکھ رہا تھا وہ بے دھیانی سے پلیٹ میں چمچ چلاتی جانے کن خیالوں میں گم تھی جن کا محور کم از کم وہ تو نہیں تھا یہی سوچ کر وہ چڑ گیا۔

''ہاں ... اچھا۔'' وہ چونک کر سیدھی ہوئی کھانے سے اس کا من اچاٹ سا ہو گیا، وال کلاک کی جانب نظر اٹھی تو دوپہر میں شہروز سے ہونے والی مڈبھیڑ یاد آ گئی۔

''گاڑی میں بیٹھو۔'' وہ اسٹور سے کچھ ضروری اشیاء لے کر باہر نکلی ہی تھی جب بلیک لینڈ کروزر کے ٹائر اس کے قریب آ کر چرچرائے اور اس کے لئے فرنٹ ڈور کھول کر وہ جس استحقاق بھرے انداز میں بولا تھا اس پر وہ اپنی جگہ کھول کر رہ گئی تھی، پھر لب کچلتے ہوئے قدرے رسان سے بولی۔

''دیکھو میں مانتی ہوں میری غلطی ہے مجھے تم سے دوستی نہیں کرنی چاہیے تھی مجھے اپنے اس عمل پر افسوس ہے اب تم پلیز میرا پیچھا چھوڑ دو۔''

Don't copy paste without permission

''تمہارے افسوس کرنے سے اب کیا ہوتا ہے جو بھول تم کر چکی ہو اس کا خمیازہ تو اب بھگتنا ہی پڑے گا آج شام آٹھ بجے مال روڈ پہ تمہارا ویٹ کروں گا اگر تم نہ آئی تو یاد رکھنا پھر میں آؤں گا۔'' کہہ کر وہ زن سے گاڑی بھگا لے گیا تھا۔

سات بج کر پچاس منٹ ہو چکے تھے وہ برتن اٹھا رہی تھی مگر اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور جسم بالکل ٹھنڈا پڑا ہوا تھا وہ برتن واپس میز پر رکھ کر بیٹھ گئی۔

بس چند لمحے اور پھر گویا کہ قیامت آنے والی تھی وہ بیٹھ کر دس منٹ گزرنے کا انتظار کرنے لگی، پھر زیان کو دیکھا وہ کوئی فائل کھولے بیٹھا تھا ٹک، ٹک کی آواز کے ساتھ وقت گزر رہا تھا اور پھر یہ مسافت بھی سمٹ ہی گئی، آٹھ بج کر پانچ منٹ پر ڈور بیل بج اٹھی تھی زیان اٹھ کر بیرونی دروازے کی جانب بڑھ چکا تھا وہ اٹھی اور زیان کے پیچھے ہی چلی آئی، زیان

Don't copy paste without permission

نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور اس کے بدترین خدشوں کی تصدیق ہو گئی سامنے شہروز کھڑا تھا۔

''تم یہاں۔'' زیان نے حیرت بھری سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''ہاں میں تمہاری بیوی کا یہ بریسلیٹ لوٹانے آیا ہوں جو وہ غلطی سے میرے بیڈ روم میں بھول آئی تھی۔'' اریب کی جانب استہزائیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ زیان سے مخاطب ہوا اور پھر خود ہی اس کا ہاتھ کھول کر اس پر بریسلیٹ رکھا اور چلا گیا۔

''گڈ نائیٹ اریب! تمہارے ساتھ گزرا وقت ہمیشہ یاد رہے گا۔'' جانے سے پہلے وہ پھر پلٹا اور جیسے اس کی بے بسی کا مکمل لطف لیتے ہوئے بولا۔

زیان ساکت سا کھڑا بے یقین نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، اریب کا جی چاہا کاش زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے نظروں سے گرنے کا احساس کس قدر جان لیوا ہوتا ہے وہ بھی اس وقت جب نظروں میں بسے رہنے کا

Don't copy paste without permission

ارمان دل میں جاگزین ہو جائے، وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔

''زیان!'' اریب نے پکارنا چاہا مگر الفاظ حلق میں ہی کہیں گھٹ کر رہ گئے۔

* * *

وہ رات بھر گھر نہیں آیا تھا اریب کی نظریں دروازے پر ٹکی رہیں رات بھر وہ لفظوں کو توڑ توڑ کر جوڑتی رہی مگر ایسا کوئی متن وضاحت دلیل تیار نہ کر پائی جس سے زیان کی بدگمانی دور کر پاتی۔

اگلے روز وہ آیا اور آتے ہی بیڈ روم میں چلا گیا وہ اٹھ کر اس کے لئے ناشتہ بنانے لگی دس منٹ میں تیار ہو کر نیچے آیا تھا اریب کو اسے مخاطب کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

وہ اس پر اس میز پر سجے لوازمات پر اک نگاہ غلط ڈالے بغیر باہر نکل گیا۔

Don't copy paste without permission

زیان کے نکلتے ہی دس منٹ بعد ماریہ چلی آئی تھی اریب اسے اتنی صبح صبح دیکھ کر حیران تو ہوئی مگر ظاہر نہ کیا۔

''آؤ ماریہ بیٹھو۔'' اریب نے اسے لاؤنج میں بٹھایا۔

''ناشتہ کرو گی۔'' برتن اٹھانے سے قبل اس نے ماریہ کو دعوت دی اور پھر اس کے انکار پر بغیر ناشتہ کیے پھیلاوا سمیٹنے لگی۔

''یہ سب بعد میں کرنا پہلے یہاں آؤ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔'' اس کا غیر معمولی انداز اریب کو چونکا گیا تھا، وہ برتن وہیں چھوڑ کر اس کے قریب آن بیٹھی، ماریہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''اریب کیا تم زیان کے ساتھ خوش نہیں ہو۔'' وہ بغیر کسی تمہید کے گویا ہوئی، جبکہ اس اچانک اور قدرے غیر متوقع سوال پر وہ الٹا سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''آج صبح زیان آیا تھا ہاسپٹل، بہت ڈسٹرب لگا مجھے، میں نے وجہ پوچھی تو اس نے بتا دیا کہ تم اس کے ساتھ خوش نہیں ہو اور وہ تمہیں چھوڑنے کا

Don't copy paste without permission

فیصلہ کر چکا ہے وہ طلاق کے کاغذات تیار کروانے گیا ہے۔'' ماریہ کے انکشاف پر وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''یہ نہیں ہو سکتا۔'' اس کی سیاہ آنکھیں آنسوؤں سے بھر چکی تھیں۔

''ماریہ کیا تم اس کے وکیل کو جانتی ہو۔''

''میں وثوق سے تو نہیں کہہ سکتی مگر ایڈوکیٹ احتشام رضا میر کے ساتھ اس کی اچھی علیک سلیک ہے شاید وہ اسی کے پاس گیا ہو۔''

''تم میرے ساتھ چلو گی۔'' اس نے کچھ جھجکتے ہوئے ہی کہا تھا۔

''ہاں کیوں نہیں۔''

***

''یہ رہے تمہارے کاغذات۔'' احتشام نے کاغذات اس کے سامنے رکھتے ہوئے اس کا شانہ ہولے سے دبایا۔

''زیان ایک بار پھر سوچ لو۔'' اور وہ اب سوچنا ہی تو نہیں چاہتا تھا اس نے خاموشی سے پن نکالا اور کاغذات کا رخ اپنی جانب موڑتے ہوئے

Don't copy paste without permission

پہلے صفحے پر سائن کر دئیے پھر دوسرے اور تیسرے پر اس کا قلم چلنے ہی والا تھا جب دروازہ ایک دھاڑے سے کھلا اور اریب کو دیکھ کر وہ حیران ہی تو رہ گیا تھا۔

اس نے آتے ہی طلاق نامہ اس کے ہاتھ سے لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر کہ ہوا میں اچھال دیا۔

احتشام رضا میر اٹھ کر چیمبر سے باہر چلا گیا، اب کمرے میں دونوں اکیلے تھے۔

زیان خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا اور وہ ایکدم بھڑک کر اٹھی تھی۔

''پہلے میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی تم نے زبردستی مجھے اپنایا اور اب جب میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں تو تم مجھے چھوڑنا چاہتے ہو سمجھتے کیا ہو تم خود کو جو تمہارے دل میں آئے گا تم کرتے پھرو گے ہر بار تمہاری من مانی نہیں چلے گی کچھ فیصلے میری مرضی سے ہوں گے۔'' طیش کے مارے اس نے زیان کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا وہ اسے اس وقت

Don't copy paste without permission

اپنے حواس میں نہیں لگ رہی تھی، زیان نے نرمی سے اس کے ہاتھ اپنے گریبان سے ہٹا کر جھٹک دئیے۔

''تم نے جو کیا وہ قابل معافی نہیں ہے۔''

''میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ میں نے تم سے محبت کیا ہے باقی جو سب تھا وہ ایک سراب تھا جس نے مجھے اپنے فریب میں الجھا لیا تھا مجھے پلیز معاف کر دو میرے قدم بھٹکے ضرور تھے مگر لڑکھڑائے نہیں، وہ شخص مجھ سے بدلہ لینے کی خاطر جھوٹ بول رہا تھا وہ بریسلٹ میں خود اس کے منہ پر مار کر آئی تھی اس سے قبل کہ میں تمہاری جانب لوٹ پاتی اس نے مجھے بلیک میل کرنا شروع کر دیا تھا۔'' دھیرے دھیرے اس نے زیان کو سب بتا دیا تھا زیان نے خفگی سے بھرپور نگاہ اس پر ڈالی۔

''اور تم نے یہ سب مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا جب وہ بریسلٹ لوٹانے آیا تھا تو میں کتنے ہی پل تمہارے سامنے منتظر کھڑا رہا کہ تم اس کی بکواس کو جھٹلاؤ گی، اپنی صفائی میں کچھ کہو گی مگر تمہاری خاموشی ...'' اس نے ایک

Don't copy paste without permission

پل کو توقف میں اس کے حلیے کا جائزہ لیا متورم آنکھیں زرد پڑتا چہرہ الجھے بکھرے بال اس کا دل کٹنے لگا تھا۔

''تمہاری خاموشی نے ہی مجھے یہ انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کیا تھا مجھے لگا تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو میں تمہاری خوشی چاہتا ہوں رابی، تم مجھے اداس اچھی نہیں لگتی۔'' اس نے بے ساختہ اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں بھر کر اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ رو پڑی۔

''بہت بری ہوں نا میں۔''

''نہیں بہت زیادہ تو نہیں ہاں مگر تھوڑی سی وہ بھی روتے ہوئے۔'' وہ مصنوعی سنجیدہ تھا اریب روتے ہوئے ہنسنے لگی واپسی کا سفر بے حد خوشگوار تھا اور کیوں نہ ہوتا پت جھڑ نے آتی ہوئی بہار کو خوش آمدید کہا تھا، اب خزاں ان کی زندگی سے رخصت ہو رہی تھی۔

امی سے جیب خرچ لے کر وہ انیکسی سے باہر نکلی تو فیصل جو ابھی دروازے میں کھڑا اسے آواز دے رہا تھا، اچانک غائب ہوا۔

Don't copy paste without permission

جانے اس لڑکے کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ حالانکہ وہ اس کے مسئلہ بخوبی سمجھتی تھی۔ بیگ پٹختے ہوئے وہیں سیڑھیوں پہ بیٹھ گئی۔ کل اس نے دھمکی بھی دی تھی کہ اگر تم وقت پہ تیار نہ ہوئے تو میں عمر کے ساتھ چلی جاؤں گی، پھر اس بدتمیز نے کیسا جی جان سے وعدہ کیا تھا کہ کل سے وہ ضرور وقت کی پابندی کرے گا۔ ''اور اب آکر پھر غائب۔'' اس نے لب بھینچ لیے ایسا وہ تب کرتی تھی جب بہت غصہ آرہا ہوتا تھا۔

عمر نے پہلے اپنی بائیک نکالی تھی، اب وہ اس پر سوار ہو رہا تھا۔ نہیں وہ ایک پل کے لیے رکا تھا۔ اس کی نگاہیں انیکسی سے باہر سیڑھیوں پہ بیٹھی زیب کی جانب اٹھی ہوئی تھی، ان میں سوال تھا۔

''میرے ساتھ چلو گی؟'' زیبو نے منہ پھیر لیا۔ وہ فیصل کو صرف دھمکی دے سکتی تھی اس پر عمل درآمد مشکل تھا، بے حد مشکل۔ وہ اپنے اکلوتے دوست کو کیسے ناراض کر دیتی۔

اندر وہ لاؤنج میں کھڑا ابا اور اماں کا مکالمہ سن رہا تھا۔

Don't copy paste without permission

''دو سو روپے دے جائیں۔'' اماں کا مطالبہ۔

''کیوں، کس لیے؟'' ابا حسب معمول اپنے ناپ سے لمبا شلوار سوٹ زیب تن کیے بٹوے میں رکھے نوٹ گن رہے تھے۔ عینک کے اوپر سے ابرو اٹھا کر استفسار کیا۔ پیشانی پر ایک ساتھ ان گنت بل پڑے تھے۔

''ضرورت ہے تو مانگ رہی ہوں۔'' اماں نے خفگی بھرا جواب دیا مگر ابا مطمئن نہیں ہوئے تھے۔

''کیسی ضرورت؟ ہر چیز تو گھر میں موجود ہے سبزی، گوشت، انڈے، کپڑے لانڈری سے دھل کر آجاتے ہیں۔ کام والی کا ابھی مہینہ ختم نہیں ہوا، دودھ والے کو میں فارغ کر چکا ہوں پھر تم دو سو کا کیا کرو گی۔''

''عظمت صاحب کے گھر سے میلاد کا پیغام آیا تھا۔ سوچا کچھ فروٹ وغیرہ لے جاؤں گی۔ اب خالی ہاتھ جانا بھی تو اچھا نہیں لگتا۔'' شوہر کے مزاج سے خوب واقف تھیں، پائی پائی کا حساب رکھتے تھے۔ جب تک پوری وضاحت طلب نہیں کر لیتے ان کی جیب ڈھیلی ہونے والی نہیں تھی۔

Don't copy paste without permission

''یہ اچھا دستور ہے! تم میلاد پہ جا رہی ہو یا بیٹے کا شگن کرنے۔ اب محلے میں بھی سوغاتیں بانٹتے پھریں گے، حد ہوتی ہے فضول خرچیوں کی بھی۔'' چار باتیں سنا کر سو، سو کے دو نوٹ انہوں نے میز پر اماں کے سامنے رکھ ہی دیے تھے۔ بٹوہ واپس رکھتے ہوئے اب وہ واسکٹ پہن رہے تھے جو ان کے درمیانے قد پر لانگ کوٹ جیسی لگ رہی تھی۔ ظاہر ہے وہ کسی دراز قامت آدمی کی ہو گی۔

اماں منہ پھلائے ہوئے برتن سمیٹنے لگیں۔

''ابا! میری پاکٹ منی۔'' خشک لبوں پہ زبان پھیرتے ہوئے اس نے ابا کے سامنے ہاتھ پھیلایا تھا۔ ابا نے پہلے تو حسب معمول اسے گھورا پھر سر ہلاتے ہوئے اس کی ہتھیلی پر پانچ کا سکہ رکھا اور چلے گئے۔

وہ منہ بسورتے ہوئے باہر نکلا، ابا کی ''حسب معمول'' والی گھوری کے سامنے وہ کچھ بول ہی نہیں پاتا تھا۔ ابا بھی ایسا حفظ ماتقدم کے طور پر کرتے تھے۔

Don't copy paste without permission

اماں نے باہر نکلتے ہوئے فیصل کے بیگ میں زبردستی دو سیب ٹھونسے

''لنچ ٹائم میں یاد سے کھا لینا۔''

''اگر مراقبہ ختم ہو چکا ہو تو اسکول چلیں۔'' زیبو دور کھڑی دو منٹ سے اسے دیکھ رہی تھی، وہ جس رفتار سے چل رہا تھا ایسے تو وہ چھٹی کے بعد ہی اسکول جا سکتے تھے۔ اب پاس جا کر اس کے سر پہ چلانا ضروری ہو چکا تھا۔

''دیر کروا دی نا تم نے؟'' اب وہ اسے گھور رہی تھی۔

''جانتی ہو! میں نے رات ہی اپنا یونیفارم، موزے، بیگ، کتابیں سب ریڈی کر لیا تھا۔ ٹائم سے بیس منٹ قبل انیکسی کے باہر کھڑا تھا۔ تمہیں آواز بھی دی تھی مگر جب تمہیں پھوپھو سے پاکٹ منی لیتے دیکھا تو مجھے یاد آیا کہ میں نے تو ابا سے پاکٹ منی لی ہی نہیں اور پھر دیر ہو گئی۔'' وہ مزے سے بتا رہا تھا زیبو اسے گھورتی رہی۔ راستہ بھر گھورتی رہی اور وہ سوچتا رہا۔

Don't copy paste without permission

''ایسے بھی ہوتے ہیں کسی کے ابا! دل چاہتا ہے یہاں سے کہیں دور چلا جاؤں۔ عمر کو تایا ابا سے پچاس روپے ملتے تھے۔ زیبو بھی بیس روپے لیتی تھی اور اس کے پاس تھا پانچ کا سکہ۔

''کیا کرے گا وہ اس کا؟''

یہ نہیں تھا کہ اس کے والدین بے حد غریب تھے بلکہ ان کا شمار کھاتے پیتے گھرانے میں ہوتا تھا اس کے ابا کی چوک میں مشہور لانڈری کی دو منزلہ دُکان تھی اور ان کے پاس کپڑوں کے علاوہ پردے، قالین اور بڑے بڑے میرج ہالز کی صفائی کے آرڈر آتے تھے۔

بس ان کے سر پہ کروڑپتی کہلانے کا خبط سوار تھا۔ کچھ وہ فطرتاً کنجوس تھے۔ اتنے کنجوس کہ کبھی عید، شادی بیاہ اور کسی تہوار وغیرہ پر بھی انہوں نے اپنے لیے کوئی سوٹ نہیں سلوایا تھا۔ گاہکوں کے آئے ہوئے دھلائی کے سوٹ جو اسٹاک میں رکھے رہ جاتے اور جنہیں سال، چھ، مہینے

Don't copy paste without permission

تک کوئی لینے نہیں آتا تھا، نکال کر پہن لیتے تھے اسی لیے کبھی کوٹ لمبا تو قمیص چھوٹی تو کبھی سوٹ ان کے قد سے بڑے ہوتے تھے۔

اماں لاکھ سمجھاتیں کہ درزی سے اپنے ناپ کے کروا لو۔

مگر ان کی ایک ہی بات ''میں اپنے متعلق کسی کمپلیکس کا شکار نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے خود نمائی کا کوئی شوق ہے، میں خود کو لوگوں کی نظر سے نہیں دیکھتا۔''

چلو جی، بات ہی ختم۔ حالانکہ یہ الگ بات کہ انہیں منفرد لگنے کا بھی خبط تھا۔ اب اماں لاکھ سر پیٹتی رہی، ابا اپنی کرتے تھے۔

وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا دو بہنوں کا اکلوتا بھائی مگر نہ تو وہ اماں کی آنکھ کا تارا تھا نہ ہی ابا کا راج دلارا، اور نہ بہنوں کا پیارا۔

ہر کسی کو اس کی فکر تھی کہ کہیں اکلوتے پن کی وجہ سے بگڑ نہ جائے سو بے جا لاڈ پیار تو دور کی بات، وہاں تو پیار کا تصور ہی محال تھا۔ ہر کوئی ہر وقت

Don't copy paste without permission

اس پر اپنا رعب جمانے کو تیار نظر آتا تھا اور ابا تو غلطی سے بھی کبھی اس کی جانب پیار بھری نگاہ نہیں ڈالتے تھے۔

ایک عمر تھا اپنے ابا کا لاڈلا، فرمانبردار، سلجھا ہوا تمیز دار بچہ، جو کبھی کوئی فرمائش نہیں کرتا تھا کیونکہ اس کو ہر چیز بغیر مانگے ہی مل جاتی تھی مگر ابا کو یہ بات کون سمجھائے جنہیں نظر آتی تھی تو صرف اس کی فرماں برداری، وہ کتنا گھنا، میسنا تھا۔ اب وہ انہیں کیسے سمجھاتا، اماں بھی اس معاملے میں ابا کی ہم خیال تھیں۔

وہ ہر معاملے میں عمر کے ساتھ اس کا موازنہ کرتی تھیں۔

وہ گورا تھا تو ان کا بیٹا سانولا کیوں تھا؟ دونوں ہم عمر تھے، پھر عمر نے پہلے چلنا کیوں شروع کیا تھا؟ عمر نے اس سے پہلے ابا کہا تھا۔ تائی اماں اسے جو بھی کھلاتیں وہ بڑا سا منہ کھولے بس کھائے چلا جاتا اور اس کی اماں کو اسے ایک فیڈر پلانے میں ہزارہا جتن کرنے پڑتے تھے۔

Don’t copy paste without permission

وہ رات کو آٹھ بجے اچھے بچوں کی طرح سو جاتا تھا اور یہ ساری رات بھاں بھاں کر کے سب کو جگائے رکھتا۔ ڈیڑھ سال کی عمر میں فیصل کو جسمانی اعضا کے نام آتے تھے مگر جب عمر نے اسی عمر میں کہا ''مائی فادر نیم از کامران سکندر'' تو اس کا چرچا ہفتے بھر تک ہوتا رہا تھا۔ ہر آئے گئے کے سامنے پوچھا جاتا۔

''عمر! واٹ از یور فادر نیم؟'' اسکول میں بھی وہ پہلی پوزیشن لاتا تھا اور فیصل کبھی پانچویں تو کبھی ساتویں۔ عمر کو سب ہی پسند کرتے تھے، اس سے ہر کسی کو شکایتیں ہی رہتیں۔ عمر کو ہمیشہ ہی اس کے سامنے ایک مثال کی طرح پیش کیا جاتا، اسے عمر سے چڑ تھی بے حد اور شدید۔

* * *

حسب معمول وہ دیر سے آنے والوں کی قطار میں کھڑے تھے۔ زیبو کا اکتاہٹ کے مارے برا حال تھا۔ وہ فیصل کو جتنی مہذب گالیوں سے نواز سکتی تھی، نواز چکی تھی۔

Don't copy paste without permission

وہ سر جھکائے کان کھجاتا، بس ہنسے جا رہا تھا۔

کیونکہ ابھی کچھ دیر قبل اس نے اسے دیکھا تھا، جس کی آواز سننے کی خاطر وہ روز دیر سے اسکول آتا تھا۔ وہ ان کے اسکول کی پریفیکٹ تھی۔

''انعم!'' کتنا پیارا نام تھا اس کا۔

وہ زیبو کی دوست تھی اور فیصل نے آج کل اس کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔

''زیبو! تم رجسٹر میں اس کے نام کے آگے میرا نام لکھو گی۔''

ریاضی کے ٹیسٹ میں زیبو کے نمبر سب سے زیادہ آتے تھے اور انعم کی ہمیشہ سیکنڈ پوزیشن، اس کا اترا ہوا چہرہ جانے کیوں اسے رنجیدہ کرنے لگا تھا۔

''زیبو! تم انعم سے ایک نمبر کم نہیں لے سکتیں۔''

''اب کیا میں جان بوجھ کر مس ٹیک کروں۔'' وہ ابرو چڑھاتی۔

''ایک غلطی سے کیا ہوتا ہے زیبو۔'' وہ بڑی منت سے کہتا اور زیبو بھلا کب اس کا کہا ٹالتی تھی۔

Don't copy paste without permission

اس نے محسوس کیا تھا کہ اکثر زیبو کی اوٹ میں چھپ کر وہ بھی اسے دیکھتی تھی اور جب کبھی وہ اس کی چوری پکڑ لیتا تو نگاہوں کے تصادم پر کیسے جگنو چمکتے تھے اس کی آنکھوں میں، وہ دیر سے آتا تو وہ اس سے جرمانہ وصول نہیں کرتی تھی اس کے اگر ٹیسٹ میں نمبر کم آتے تو وہ استاد سے شکایت نہیں کرتی تھی۔ زیبو سارا وقت اسے اپنی اور فیصل کی باتیں سناتی رہتی، جسے زیر لب مسکراتے ہوئے وہ بڑے غور سے سنا کرتی تھی۔ اسے معلوم تھا فیصل کو کون سا رنگ پسند ہے، کھانے میں کیا اچھا لگتا ہے۔ وہ جب پہلی بار زیبو کی برتھ ڈے پر ان کے گھر آئی تو اس نے ہلکا فیروزی رنگ کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ کلاس میں ہونے والی ون ڈش پارٹی پر وہ گھر سے بطور خاص کڑھی چاول بنا کر لائی تھی۔

زیبو سے اس نے وہ سنہری قلم جو انعم نے اسے برتھ ڈے پہ تحفہ دیا تھا مانگ کر لے لیا تھا۔

''فیصل یہ گفٹ ہے۔'' وہ تلملائی ضرور تھی۔

Don't copy paste without permission

''تو کیا ہوا۔'' وہ بڑی مسرت سے اسے قمیص کے گریبان میں سجا کر گھومتا تھا، جیسے وہ کوئی اعزازی تمغہ ہو۔

محبت کا رنگ

آج کا دن اس کی زندگی کا منحوس ترین دن تھا، اس نے ابا کے سامنے سر اٹھانے کی جرات کر لی تھی۔

اسکول میں چودہ اگست کا فنکشن تھا اسے سفید شلوار قمیص چاہیے تھی اور ابا دوکان سے کوئی سوٹ اٹھا کر لے آئے تھے۔

''اپنا ماپ دے دو، درزی سے کہہ کر چھوٹا کروا دوں گا۔''

Don't copy paste without permission

''نہیں پہننے مجھے کسی کے اترے ہوئے کپڑے۔ آپ کی طرح نمونہ بننے کا کوئی شوق نہیں ہے، مجھے نئے کپڑے چاہئیں۔'' کے ٹی نما کھدر کے سوٹ کو دیکھ کر وہ جیسے چیخ پڑا تھا۔ عمر نے نیا کاٹن کا کڑھائی والا شلوار سوٹ بنوایا تھا اور اس کے ابا اسے کسی کا پرانا سوٹ پہننے کو کہہ رہے تھے۔

''اپنے ابا کو نمونہ کہہ رہے ہو؟'' اماں اس کی اس درجہ بدتمیزی پر صدمے کے باعث حیران، ساکت سی کھڑی تھیں۔ ابا نے آگے بڑھ کر اسے ایک تھپڑ رسید کر دیا تھا۔

''یہ تربیت کر رہے ہیں اس کی اسکول والے! کل ہی اسے مولانا صاحب کے مدرسے میں داخل کرواتا ہوں۔'' اور وہ کتنی ہی دیر سیڑھیوں پہ مُنہ پھلائے بیٹھا رہا تھا۔ رات میں سارہ باجی اور انجم آپا کو فون کر کے بلوایا گیا تھا۔ اماں نے رو رو کر آنکھیں سجالیں۔

Don't copy paste without permission

''فیصل نے ابا کو ایسا کہا۔'' سارا باجی بے یقینی سے بولیں۔

''اماں! فیصل خود سے ایسا نہیں کہہ سکتا، ضرور کسی نے ہمارے بچے پر کچھ کر دیا ہے، اسے باہر نہ نکلنے دیا کریں، سو طرح کی نظریں ہوتی ہیں لوگوں کی۔'' انجم آپا نے افسوس سے ہاتھ ملتے ہوئے اپنے مفید مشورے سے بھی نوازا تھا اور پھر متفقہ فیصلے کے طور پر اسے اسکول سے خارج کروانے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ اسے کسی دینی مدرسے میں داخل کروانے کی باتیں ہو رہی تھیں۔

آپا نے ایک مدرسے کا پتا بھی بتا دیا تھا۔ جہاں دینی تعلیم کے ساتھ دنیاوی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔

Don't copy paste without permission

''اچھا ہے صبح سے نکلا شام کو گھر آیا کرے گا۔ اس کے آوارہ دوست چھوٹیں گے تو خود ہی تمیز آجائے گی۔''

حالانکہ اس کا کوئی دوست تھا ہی نہیں، اسے کہاں اجازت تھی دوستیاں گانٹھنے کی۔

اس کا دل چاہ رہا تھا اپنا گلا دبا دے یا خود کو سولی پر لٹکا دے۔ بھلا کوئی تک بنتی تھی۔ ایک سوٹ کی فرمائش ہی تو کی تھی اس نے اور ان سب کو اس کی تربیت کی فکر پڑ گئی تھی۔ اب بھلائی اس میں تھی کہ ابا سے معافی مانگ لی جائے ورنہ اسکول سے دستبرداری کا مطلب تھا انعم سے دستبرداری جو اسے کسی صورت منظور نہیں تھی۔

Don't copy paste without permission

سو اس نے ابا سے معافی مانگ لی تھی اور وہی سوٹ پہننے کا اور کوئی فضول فرمائش نہ کرنے کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔

وہ اگلے روز صبح چھ بجے اٹھا تھا آج پہلی بار دیر سے جانے کے بجائے وقت سے پہلے اسکول جا رہا تھا کیونکہ آج اسے پہلی صف میں بیٹھنا تھا۔ انعم ڈرامے میں پرفارم کرنے والی تھی اور وہ اسے سب سے زیادہ قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔ سات بجے آکر وہ پہلی صف کی پہلی کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ ساتھ والی سیٹ اس نے زیبو کے لیے مختص کر لی تھی۔

اب وہ زیبو اور انعم کا انتظار کر رہا تھا۔ اس ایونٹ میں اس کی دلچسپی محض انعم کو ڈرامے میں پرفارم کرتا ہوا دیکھنے تک ہی محدود تھی لیکن ایک گھنٹہ وہاں بیٹھ کر انتظار کرنے کے بعد وہ اسے بنا دیکھے ہی اٹھ کر چلا آیا تھا۔ ڈھیلی ڈھالی کیٹی کے کھدر نما شلوار سوٹ میں اسے اپنی شخصیت ایسے

Don’t copy paste without permission

لگ رہی تھی، جیسے دو سال کے بچے کو دس سال کے بچے کا سوٹ پہنا دیا ہو، بازو لمبے تھے تو اماں نے کف موڑ دیے تھے، گریبان میں دو گردنیں سما سکتی تھیں۔ قمیص کی لمبائی ٹخنوں سے دو انچ اوپر تھی اور شلوار تھی یا تہہ بند۔ وہ رو دینے کے قریب تھا۔

بے مقصد گلیوں میں گھومتا رہا اور جب واپس گھر آیا تو شام ہو چکی تھی اور ابا، تایا ابو، عمر سب اسے ڈھونڈنے نکلے ہوئے تھے۔ عمر نے ہی شکایت لگائی تھی کہ وہ آج اسکول نہیں آیا تھا۔

''اکلوتا بیٹا ہے تمہارا اور تمہیں اس کی کوئی فکر ہی نہیں ہے، کتنی بار کہا ہے، نظر رکھا کرو اس کی سرگرمیوں پر، یہی عمر ہے بننے کی اور بگڑنے کی۔'' تایا، ابا پر برس رہے تھے اور ابا نے اسے دیکھتے ہی پیٹنا شروع کر دیا تھا۔ اس روز اسے عمر سے بے پناہ نفرت محسوس ہوئی تھی۔ ابا نے اس

Don't copy paste without permission

کا گھر سے نکلنا بند کر دیا تھا اور عمر مزے سے عقبی کھیل کے میدان میں اس کے ہی دوستوں کے ساتھ کرکٹ کھیلتا تھا۔ وہ کھڑکی میں کھڑا دیکھتا اور کڑھتا رہتا۔

زیبو اس کے لیے چائے لے کر آئی تھی، تب ہی عمر نے چھکا لگایا تھا۔

''گڈ شاٹ۔'' اس نے تالی بجا دی اور فیصل نے اتنی زور سے کھڑکی بند کی کہ میز پر رکھا چائے کا کپ دھمک سے نیچے جا گرا اور اب وہ بغیر کسی معذرت کے کمرے سے جا چکا تھا۔ زیبو نے بند کھڑکی کو حسرت سے دیکھا ضرور مگر وہ بند کھڑکی اس نے دوبارہ نہیں کھولی تھی۔ فیصل کو منانا بھی باقی تھا۔

Don't copy paste without permission

''میرے بیگ میں جو چاکلیٹ رکھی ہے کہہ دوں گی انعم نے دی تھی پھر تو مان ہی جائے گا۔'' وہ انعم کا ایسا ہی دیوانہ تھا۔

* * *

ان کے میٹرک کے امتحانات ہوئے تو اس نے کسی معروف موبائل کمپنی کے دفتر میں مارکیٹنگ کی جاب شروع کر دی تھی، عمر کو تایا نے نئی موٹر بائیک لے کر دی تھی حالانکہ بائیک اس کی جاب کی ضرورت تھی۔ اس نے ابا سے کہا تھا۔

مگر الٹا انہوں نے ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دی تھی۔

Don't copy paste without permission

''دیکھا! اس جیسی نا خلف اولاد ہوتی ہے، باپ کے ساتھ ہاتھ بٹانے کے بجائے دوسروں کو فائدہ دے رہا ہے اور عمر کو دیکھو باقاعدگی سے باپ کی دُکان پر جاتا ہے بھائی صاحب کے بچے کتنے سلجھے ہوئے، فرمانبردار ہیں اور یہ! ایک انڈا وہ بھی گندا۔''

''تایا ابو عمر کو سیلری بھی دیتے ہیں۔'' اس نے بھی جتا دیا تھا۔

''ہاں تو اسے اپنے بیٹے پہ بھروسہ ہے، وہ ساری رقم جا کر اپنی اماں کو ہی دیتا ہے، تمہاری طرح فضول خرچ نہیں ہے۔''

''تو آپ بائیک لے کر نہیں دیں گے۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔

Don't copy paste without permission

''نہیں۔'' دو ٹوک انکار حاضر تھا، پھر اس نے مزید بحث نہیں کی تھی۔ وہ کسی اور نوکری کی تلاش میں مصروف ہو چکا تھا زیبو اخبارات سے اشتہار کاٹ کاٹ کر ہر جگہ اس کی سی وی بھجوا دیتی تھی۔ مگر باوجود کوشش کے اسے کہیں نوکری نہیں ملی تھی۔

انہی دنوں میں زیبو نے بتایا کہ انعم پریشان ہے۔

اس کے ابو فوت ہو چکے تھے اور اس کی امی کپڑے سلائی کرتی تھیں۔ چھوٹا بھائی بے حد ضدی اور شرارتی تھا اور اس نے آج کل ضد پکڑی ہوئی تھی کہ کمپیوٹر لے کر دیں گے تو اسکول جاؤں گا، وہ آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔

Don't copy paste without permission

انعم گھر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی تھی۔ اس نے کمیٹی ڈال رکھی تھی اور اس کمیٹی کے پیسوں سے علی کو کمپیوٹر لے کر دیا تھا لیکن وہ کوچنگ سینٹر کی فیس نہیں دے سکتی تھی، علی کو کمپیوٹر سکھانا بھی ایک مسئلہ تھا اور اس کے لیے فیصل نے جھٹ اپنی خدمات پیش کر دی تھیں۔ اب وہ روز ان کے گھر آنے جانے لگا تھا۔ اس کی امی اور بھائی کے علاوہ ان کے گھر میں ان کی دادی اماں تھیں، جو فیصل سے بڑی محبت سے ملتیں۔ ان کے گھریلو حالات ہی ایسے تھے کہ اس نے ٹیوشن فیس لینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

''انعم! وہ میرا بھی بھائی ہے۔'' اور انعم خاموش ہو گئی تھی۔ دن میں وہ ایک موبائل شاپ پہ سیلز میں کی جاب کرتا تھا۔

ابا اس پر بھی اسے سنانے سے باز نہیں آئے تھے۔

Don't copy paste without permission

مگر آج کل اسے ابا کی کڑوی کسیلی باتیں بھی بُری نہیں لگتی تھیں۔ وہ ہر وقت یا تو گنگناتا رہتا یا پھر بلاوجہ مسکرائے جاتا تھا۔ دن نکلتے ہی اسے بس شام کا انتظار رہتا تھا، جب وہ علی کو ٹیوشن پڑھانے جائے گا تو ایک نظر اسے بھی دیکھ سکے گا وہ روز اس کے لیے چائے بنا کر لاتی تھی اور فیصل کا دل چاہتا تھا وہ اس مگ کو کسی قیمتی متاع کی طرح ہمیشہ کے لیے اپنے پاس رکھ لے، جس کے وجود پر اس کے محبوب کا لمس مہکتا تھا۔ اس کی دادی جب کبھی گھر میں کچھ اچھا پکا ہوتا تو اسے کھانے پر بھی روک لیتی تھیں دھیرے دھیرے وہ جیسے ان کے گھر کا اک فرد بنتا جا رہا تھا، پھر اس نے امی اور پھوپھو سے بھی کہا تھا کہ وہ اپنے سوٹ انعم کی امی سے سلوا لیا کریں۔

اس طرح دونوں گھرانوں میں کچھ اور تعلق بڑھا تھا۔

Don’t copy paste without permission

اس کی امی کو وہ وضع دار سے لوگ پسند آئے تھے اور انعم بھی۔ امی اب اکثر گھر میں بھی انعم کے سلیقے اور مودب پن کی تعریف کرنے لگی تھی۔

وہ موبائل شاپ پہ تھا جب اس کا موبائل بجا، زیبو کا نمبر تھا۔
''فیصل! کہاں ہو تم؟ رزلٹ آگیا ہے جلدی سے پتا کر کے بتاؤ۔'' وہ کچھ زیادہ ہی جلدی میں تھی اس نے ''اچھا دیکھتا ہوں'' کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ اس کی جیب میں انعم کی رول نمبر سلپ بھی تھی جو اس نے کل دی تھی۔ حسب توقع زیبو کی بورڈ میں پہلی پوزیشن تھی اور انعم کی دوسری، وہ بھی فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوا تھا۔
زیبو کو فون پہ رزلٹ بتانے کے بعد وہ بازار گیا تھا وہاں سے انعم کے لیے ایک رسٹ واچ اور مٹھائی کا ڈبہ لیا۔ اس سے قبل اس نے رول نمبر

Don't copy paste without permission

سلپ کی نقل کروا لی تھی۔ وہ ہمیشہ اس سلپ کو اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا۔ وہ گھر میں داخل ہوا تو پہلا سامنا دادی سے ہوا تھا۔

''مبارک ہو دادی جان!'' وہ بائیک سے اتر کر ان سے گلے ملا، موبائل شاپ سے ملنے والی تنخواہ سے اس نے قسطوں پر بائیک لے لی تھی۔

''انعم۔'' انہوں نے وہیں سے آواز دی تھی۔ وہ کچن کے دروازے سے باہر نکلی۔ اس نے پیلے رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا جس میں اس کی چمپئی رنگت خوب دمک رہی تھی دادی نے دونوں کو ساتھ لگا کر دعائیں دیں۔

''مبارک ہو۔'' اس نے آہستگی سے کہا تھا۔

وہ پہلے مسکرائی تھی اور پھر شکریہ ادا کرنے کے ساتھ اس کا منہ بھی میٹھا کروایا تھا۔

''آہا باجی! آج شام تو پارٹی ہو گی۔'' علی دور سے ہی اچھلتا کودتا آیا تھا۔ اس کی امی نے فیصل کو اندر آنے کی دعوت دی تھی۔

Don't copy paste without permission

''انعم نے پکوڑے بنائے ہیں۔ کھا کر جانا۔'' اور وہ پکوڑے کھانے کی خاطر نہیں، انعم کو تحفہ دینے کے لیے رک گیا تھا۔ بعد میں جب وہ اسے دروازے تک چھوڑنے آئی تو فیصل نے اسے وہ تحفہ دیا تھا۔

''اس کی کیا ضرورت تھی۔'' وہ ذرا سا ہچکچائی۔

''میں اپنی خوشی سے لایا ہوں۔ تو میری خوشی کی خاطر لے لو۔'' اور وہ اس کی خوشی کی خاطر تو کچھ بھی کر سکتی تھی۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھا دیا تھا۔ فیصل نے گھڑی اس کی کلائی میں سجا دی۔

''تمہیں پتا ہے! تم میرے لیے بہت خاص ہو۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ انعم کے لب ہلے تھے۔ ''تم بھی۔'' مفہوم اس نے خود سے اخذ کر لیا تھا۔ اتنا واضح اقرار، یہ خود سپردگی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ ہوا میں لوٹنیاں لگائے، بھنگڑا ڈالے، آج بے حد خوشی کا دن تھا۔

یہ بات اس نے سب سے پہلے زیبو کو بتانی تھی اسی لیے وہ گھر جانے سے پہلے ان کی پورشن کی سمت چلا آیا تھا مگر لاؤنج میں بیٹھے عمر اور اس کے

Don't copy paste without permission

مقابل بیٹھی زیبو کو دیکھ کر اس کا موڈ بُری طرح سے بگڑا تھا، پھوپھو اس وقت نماز ادا کر رہی تھیں اور ظاہر ہے زیبو کو ہی اس کی خاطر مدارت کرنی تھی۔ لیکن وہ یہ بات کسی صورت نہیں سمجھ سکتا تھا۔

''زیبو! میرے ساتھ آؤ۔ کچھ بات کرنی ہے تم سے۔'' اکھڑے موڈ کے ساتھ وہ اس کے سر پر آن کھڑا ہوا تھا۔

زیبو نے پہلے نماز ادا کرتی امی اور پھر عمر کو دیکھا تھا۔ عجیب مخمصے میں پھنس چکی تھی۔

''سنا نہیں تم نے!'' وہ مزید برہم ہوا تو وہ عمر سے معذرت کرتی اٹھ گئی تھی۔

''کیوں بیٹھی تھیں تم اس اُلو، پھٹیچر کے ساتھ۔'' اس کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

''وہ میری فرسٹ پوزیشن کے لیے وش کرنے آیا تھا اور یہ دیکھو اس نے مجھے بریسلیٹ بھی دیا ہے۔''

Don't copy paste without permission

زیبو نے اسے چڑانے کی خاطر وہ مخملیں کیس دکھایا تو فیصل نے بریسلیٹ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

''میرا بس چلے تو اس کے بھی اتنے ہی چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دوں۔'' وہ غصے سے بالکل بے قابو ہو رہا تھا۔

جبکہ زیبو ہکا بکا، بریسلیٹ کو ٹکڑوں میں بٹا دیکھ رہی تھی۔

* * *

انتہائی خراب موڈ کے ساتھ وہ اپنے پورشن کی سمت آیا تھا مگر امی کو دو چار شاپرز کے ساتھ لدا پھندا دیکھ کر چونک گیا۔ وہ شاید کہیں جانے کو تیار کھڑی تھیں۔ شاپرز کے ساتھ ایک عدد مٹھائی کا ڈبہ بھی تھا۔

''اچھا ہوا تم آ گئے! ابھی میں تمہیں فون کرنے ہی والی تھی۔'' اسے آتا دیکھ کر انہوں نے جیسے اطمینان کی سانس لی تھی۔

''کہاں کی تیاری ہے؟'' وہ بدمزا سا ہوا۔

''انعم کے گھر جانا تھا۔'' انہوں نے بتایا اور اس کی باچھیں کھل گئیں۔

Don't copy paste without permission

''کچھ کپڑے سلوانے تھے اور انعم کو گفٹ بھی دینا تھا، اتنی شاندار کامیابی کے بعد مبارکباد کی مستحق تو ہے نا۔''

''گفٹ۔ انعم کو۔ یا خدا مقامِ حیرت۔'' وہ کچھ سوچ کر آگے بڑھا۔

''دکھائیں تو کیا لیا ہے انعم کے لیے۔'' اس نے اشتیاق اور دلچسپی سے تمام شاپرز کو دیکھا تھا۔ عالیہ بیگم نے ایک شاپر سے خوب صورت سا جوڑا نکالا۔

''بہت پیارا ہے اور پھر فیروزی رنگ تو اس کا فیورٹ بھی ہے۔'' اس کی زبان سے بے ساختہ ہی نکلا تھا۔

''تمہیں کیسے پتا کہ فیروزی رنگ اس کا فیورٹ ہے۔'' انجم باجی نے کمرے سے نکلتے ہوئے اس کے الفاظ پکڑے لیے اور اچنبھے سے بولیں۔

''آپ کب آئیں ؟۔'' اس نے سنبھل کر موضوع بدلا تھا۔

''کبھی ہمارے جوڑوں کی تو ایسے تعریف نہیں کی۔'' وہ بال کی کھال اتارنے والوں میں سے تھیں۔ اتنی جلدی کیسے ٹل جاتیں۔ فیصل کا

Don't copy paste without permission

استفسار تو گویا سر سے ہو کر گزرا تھا ابھی تک ان کے چتون سیدھے نہیں ہوئے تھے۔

وہ شانے اچکا کر مسکرا دیا۔ ایک اور ریڈ سگنل۔

اب کی بار ان کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

''لگتا ہے دال میں کچھ کالا ہے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں۔'' اس نے جانے کو پر تولے۔

''اچھا! پھر بھی بتا دو۔'' تمہیں کیسی لگتی ہے ؟۔'' وہ پیچھے دروازے تک آئیں۔

''اچھی ہے اور پیاری بھی۔'' اس نے کہہ ہی دیا۔

عالیہ بیگم اور انجم آپا دونوں مسکرا دیں۔ اس کے لیے یہ بھی باعث حیرت تھا۔

''چلو! پھر جاتی ہوں امی کے ساتھ، تمہاری انعم کو بھی دیکھ آئیں گے۔''

انجم نے جانے کس موڈ میں کہا تھا مگر وہ تو اب ''تمہاری'' کہنے پر ہی

Don't copy paste without permission

خوشی سے نہال ہو چکا تھا اور پھر امی نے اپنے محدود خرچے میں سے انعم کے لیے خریداری کی تھی۔ یہ کیا ہو رہا تھا؟ وہ سوچتا رہا اور ہنستا رہا۔

* * *

''دیکھا آپ نے! کتنی چالاک تھیں ماں، بیٹی اور دادی تو سب سے آگے ہیں۔ گھر میں کوئی فرد بھی نہیں۔ اکیلی شتر بے مہار عورتیں۔ اور فیصل کی کیسے تعریف کر رہی تھیں۔ آپ کا بیٹا آپ سے پہلے مٹھائی لے کر ان کے گھر آگیا تھا۔ دادی اسے اپنا بیٹا تو بن اچکی ہیں۔ بس دو بول پڑھنے باقی ہیں وہ بھی کسی روز خود ہی پڑھا لیں گی اور انعم، اس کی معصوم شکل پر نہ جائیں آپ، مجھے پوری گھنی، میسنی لگ رہی تھی۔ ابھی عمر ہی کیا ہے اس کی اور لے کر ہمارے اکلوتے معصوم بھائی کو پھانس لیا، کیسے تعریف کر رہا تھا اس کی اچھی ہے اور پیاری بھی۔'' یہ تھا انجم کا بے لاگ تبصرہ۔ جو آتے ہوئے راستے میں وہ کر رہی تھی۔

Don't copy paste without permission

عالیہ بیگم نے بے ساختہ دل تھام لیا۔ ''ارے! کیا اول فول بک رہی ہو۔''

''آپ تو بہت بھولی ہیں دنیا کا آپ کو کیا پتا۔'' اپنی بات کا اثر زائل ہوتا دیکھ کر اس نے خاصا برا منایا تھا۔

''غریب سے لوگ ہیں۔ لڑکی بھی چھوٹی عمر کی۔ ذرا دب کر رہیں گی۔

''عالیہ بیگم کا اپنا موقف تھا۔

''اوہو اماں! تم کب سمجھو گی۔ لڑکی جتنی بھی چھوٹی عمر کی ہو، ہے تو فیصل کی ہم عمر اور تمہارا بیٹا مکمل طور پر ان کی گرفت میں ہے، انگلیوں پر نچائیں گی اسے۔ آنکھ بند کر کے ان کی ہر آواز پر لبیک کہے گا پھر دیواروں سے سر پھوڑتی رہنا۔''

''تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔مجھے تو اچھے خاصے شریف، بے ضرر سے لوگ لگتے ہیں۔'' عالیہ بیگم کسی طور پر اس کی باتوں سے متفق نہیں ہو رہی تھیں۔

Don't copy paste without permission

* * *

انعم کی دادی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ انعم نے فون پہ روتے ہوئے بتایا تو اگلے پانچ منٹ میں وہ ان کے گھر پہ موجود تھا۔ انہیں فوڈ پوائزن ہو گیا تھا۔ دو دن وہ اسپتال میں رہ کر گھر آئی تھیں لیکن یہ دو روز ان کی فیملی کے لیے بڑے کٹھن اور صبر آزما تھے اور فیصل نے ان دنوں ان کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ اسپتال کے بل میں تین ہزار کم تھے۔ اس نے وہ رقم انجم باجی سے ادھار لے کر دی تھی۔ انعم کی امی اس کی بے حد ممنون و مشکور تھیں۔

فیصل کے لاکھ انکار کے باوجود بھی انہوں نے یہ رقم جلد لوٹانے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن انجم کے ہاتھ تو اس بار باقاعدہ ثبوت لگ چکا تھا وہ رات ہی عالیہ بیگم کے پاس پہنچ چکی تھی۔

Don’t copy paste without permission

''دیکھا! آپ کا بیٹا کس طرح سے اپنی کمائی دونوں ہاتھوں سے ان پر لٹا رہا ہے اور وہ ماں بیٹی اینٹھ رہی ہیں۔ اب تو آپ کو میری بات پر یقین آگیا ہو گا کہ کس قدر مکار، چالاک ہیں وہ عورتیں۔''

اور عالیہ بیگم حیران پریشان رہ گئی تھیں۔

''اب کیا کروں! فیصل کا تو تمہیں پتا ہے کتنا ضدی اور خود سر ہو چکا ہے وہ کبھی میری بات نہیں مانے گا۔''

''تو فیصل سے منوانے کی کیا ضرورت ہے، ان سے منوائیں۔''

''کیا مطلب؟'' انہوں نے نا سمجھی سے انجم کو دیکھا۔

''دادی اماں کی عیادت کو چلتے ہیں۔ باقی باتیں وہیں چل کر ہوں گی۔'' انعم نے دروازہ کھولا تھا اور انہیں دیکھ کر بے حد خوش ہوئی تھی۔ اس کی معیت میں چلتی وہ ڈرائنگ روم میں آن بیٹھیں۔ دادی کی مزاج پرسی کے بعد انجم نے ہی بات کا آغاز کیا تھا۔

Don't copy paste without permission

''دیکھیں آنٹی! بات یہ ہے کہ آپ کا اور ہمارا کوئی جوڑ نہیں اور نہ ہی کبھی ہمارا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ ہم آپ سے کوئی رشتے داری بنائیں، اس لیے مناسب یہی ہو گا کہ آپ اپنی بیٹی کو سمجھائیں کہ وہ فیصل کے خواب دیکھنا چھوڑ دے اور آپ بھی فیصل کی اپنے گھر آمد پر ذرا پابندی لگائیں۔ آپ تو جانتی ہیں کہ ہم کس معاشرے میں رہتے ہیں۔ آپ کے گھر میں جوان لڑکی ہے اور یوں کسی لڑکے کو گھر میں گھسانے سے قبل آپ کو ان نزاکتوں کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔ محلے میں آپ کی بیٹی کا کردار مشکوک ہو رہا ہے۔ ہمیں بھی آپ کی عزت کا خیال ہے۔ اس لیے آپ کو یہ سب بتا رہی ہوں۔''

ان کے کاندھے پر ہاتھ کا دباؤ بڑھاتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ عالیہ بیگم نے بھی لب بھینچتے ہوئے اس کی معیت میں بیرونی دروازے کی سمت قدم بڑھا دیے۔

Don't copy paste without permission

جبکہ عفیفہ خاتون کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا، باہر کھڑی انعم کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ وہ بمشکل تمام وہاں سے چل کر اپنے کمرے تک آئی تھی۔

''اتنی تذلیل! اتنی بے عزتی!'' وہ تو اپنی ماں سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہی تھی۔

محبت کے رنگ

شام میں وہ حسب معمول ان کے گھر آیا تھا۔ آتے ہوئے راستے سے اس نے دادی کے لیے تھوڑے سے پھل بھی لے لیے تھے مگر دادی تو اس سے ملی بھی نہیں تھیں۔ انعم جو اس وقت بطور خاص کچن کی کھڑکی میں ہوتی تھی، آج غائب تھی اور یہ عفیفہ آنٹی اس سے کیا کہہ رہی تھیں۔

Don't copy paste without permission

''فیصل! تم آج کے بعد ہمارے گھر مت آنا۔''

''مگر کیوں آنٹی؟'' وہ بھونچکا رہ گیا تھا۔

قریب کھڑے علی نے خاموشی سے دونوں کو دیکھا تھا۔

''یہ سوال جا کر کر اپنی امی اور باجی سے پوچھو اور بس آج کے بعد ہمارے گھر کبھی مت آنا۔''

ان کا لہجہ قطعی، انداز حتمی تھا جیسے کچھ سننا نہ چاہتی ہوں۔ وہ خاموشی سے واپس چلا آیا اور آتے ہوئے وہ ایک نظر بھی اسے دیکھ نہیں پایا تھا۔ اسے امی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی، وہ جان چکا تھا۔ یہ ساری آگ انجم باجی کی لگائی ہوئی ہے۔

Don't copy paste without permission

اس نے ایسے ہی اعتبار کیا۔ چار دن سے وہ کمرہ بند کیے پڑا تھا اور عالیہ بیگم کو اب ہول اٹھ رہے تھے۔ وہ ان سے بات بھی نہیں کر رہا تھا۔ کھانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ بس قوت بخش مشروبات پہ گزارا کر رہا تھا۔

آخر وہ جا کر زیبو کو بلا لائی تھیں۔

''اب تم ہی ہو جو اس کا موڈ ٹھیک کر سکتی ہو۔ اسے سمجھاؤ کہ اس کی ماں غلط نہیں ہے۔ میں کبھی اس کا برا نہیں سوچ سکتی۔ جو کیا ہے، اس کی بہتری اور بھلائی کی خاطر کیا ہے۔''

زیبو بس سنتی رہی کہہ نہ سکی کہ اس سے زیادہ بُرا اور کیا ہو گا۔ اپنے بیٹے کا دل توڑ دیا۔ اس بھلی عورت کی عزت نفس مجروح کی۔ اک کومل سی

Don't copy paste without permission

لڑکی کے جذبات کو روند ڈالا۔ اس کے کردار پر انگلیاں اٹھائیں۔ اور زیادہ کیا بُرا ہو گا۔

یہ اکلوتے بیٹوں کی مائیں، ان کا عدم تحفظ کا ڈر نہ جانے کب جائے گا۔ زیبو کی تمام تر ہمدردیاں فیصل کے ساتھ تھیں اور اسے انعم کا خیال بھی تھا اس کی عزت نفس، انا، نسوانی وقار کیسے نہ مجروح ہوا ہو گا۔

وہ لڑکی تو اب ہنسنا بھول جائے گی۔

اس کا دل چاہا رہا تھا خوب سارا روئے۔ محبتوں کا متلاشی وہ لڑکا، جو بچپن سے ہی اس قدر نا آسودہ تھا، اب تو بالکل ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔

اور وہ بھلا کیسے سمیٹے گی اسے۔

Don’t copy paste without permission

وہ انعم کا قلم، اس کے دیے کارڈ اور تحائف تک چھین لیتا تھا اور اب پوری انعم سے دستبرداری، بھلا کیونکر ممکن تھی۔ اس نے ایک کوشش کرنی چاہی۔

''مامی جان! آپ نے اچھا نہیں کیا، انعم اتنی پیاری لائق اور سلجھی ہوئی لڑکی تھی اگر فیصل اس سے شادی کر لیتا تو کیا ہو جاتا۔ آپ تو ویسے بھی کسی غریب گھرانے کی لڑکی جو کم عمر بھی ہو، کو بہو بنانا چاہتی تھیں پھر انعم تو بالکل آپ کے مجوزہ معیار پر پوری اترتی تھی۔''

''زیبو! تم بچی ہو ابھی۔ ان باتوں کو نہیں سمجھو گی۔''

* * *

Don't copy paste without permission

ایک ایک زینہ طے کرتے ہوئے اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ کیسے سامنا کرے گی وہ اس ٹوٹے بکھرے انسان کا، کن لفظوں میں اس کے غم کا مداوا ممکن ہو سکے گا۔ کمرے کی حالت ابتر تھی۔ ہر چیز کو اس نے تہس نہس کر ڈالا تھا اور خود ٹیرس پہ کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کے برابر آن کھڑی ہوئی۔

''تم نے بات کی انعم سے۔'' وہ اسے دیکھتے ہی بے چیتی سے بولا تھا۔ کل ہی اس نے زیبو سے کہا تھا کہ وہ انعم سے کہے کہ وہ بس ایک بار اس سے مل لے۔

''وہ نہیں مانی اور اس نے یہ بھی کہا ہے کہ مجھے بھول جاؤ۔''

Don't copy paste without permission

زیبو کے لہجے میں شکست خوردگی تھی کہ لاکھ قائل کرنے کے باوجود بھی وہ اس سے منوا نہیں سکی تھی۔

وہ ایسے ساکت ہوا تھا جیسے اس کی سانس بند ہو چکی ہو۔ زیبو نے محبت سے اسے دیکھا۔

''فیصل! جو ہوا بھول جاؤ اور تم نے ابھی تک اپنے فارم سب مٹ نہیں کروائے دو روز بعد داخلے بند ہو جائیں گے۔'' نارمل سے انداز میں وہ اسے اس کی کوتاہی کا احساس دلا رہی تھی۔ وہ بغیر کچھ کہے سنے اپنے کمرے میں بند ہو چکا تھا۔ زیبو نے اس وقت اسے اس کے حال پہ چھوڑنا ہی مناسب سمجھا تھا۔

Don't copy paste without permission

دو روز بعد ان کے گھر میں خوب لمبی چوڑی جھڑپ ہوئی تھی۔ فیصل نے ایف ایس سی میں داخلہ لینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ابا اس پر خوب برسے تھے امی الگ پریشان، سب نے سمجھا کر دیکھا لیا تھا مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔

وہ دن رات ایک ہی بات سوچتا تھا کہ کس طرح تمام گھر والوں کو اتنا ہی جذباتی دھچکا لگائے جیسا انہوں نے اس کو پہنچایا تھا۔

چند روز گزرے تھے اس کا سیل فون بار بار بجنے لگا تھا۔ ایک لڑکی تھی اسما نام کی، نارووال سے چھ گاؤں چھوڑ کر کسی بارڈر کی رہنے والی تھی۔ وہ خاموش، تنہا اداس رہ کر جب تنگ آجاتا تو اس سے باتیں کرنے لگتا تھا۔

Don’t copy paste without permission

* * *

زیبو کا کالج کھل چکا تھا۔ شام سے پہلے وہ لان میں اپنی کتابیں لے کر بیٹھی تھی۔ فیصل نے اسے کھڑکی سے دیکھا تھا وہ اس کے داخلہ نہ لینے پر ناراض تھی۔ کچھ سوچ کر وہ نیچے لان میں اس کے پاس چلا آیا تھا۔

وہ ہنوز اپنی کتابوں میں مگن تھی۔

''زیبو یار! کچھ کھانے کو دے دو۔ کل سے بھوکا ہوں۔''

جاؤ بارڈر کے پاس والے گاؤں میں، کچھ نہ کچھ مل ہی جائے گا۔'' اس کا لہجہ پرسکون تھا لیکن جملے میں چھپی طنز کی کاٹ وہ سمجھ چکا تھا۔ وہ اس کے اسماء سے بات کرنے پر بھی خفا تھی۔

Don't copy paste without permission

''اچھی لڑکی ہے یار!''

''اور کل کو جب یہ اچھی لڑکی بھی چھوڑ جائے گی تو خودکشی کر لینا۔'' غصے میں اس نے کتاب بند کر دی تھی۔

''تم نہیں جانتیں وہ کتنی بڑی مصیبت میں گرفتار ہے، اس کے گھر والے اس کی شادی کسی بڈھے چوہدری سے کروا رہے ہیں۔ وہی گھسی پٹی کہانی، پنچایت کا فیصلہ، وہ مجھ سے مدد مانگ رہی ہے۔'' وہ اس کے لیے افسردہ ہو رہا تھا۔

Don't copy paste without permission

''میں پاگل ہوں جو تمہاری ہمدردیوں میں گھلتی رہی ہوں اور تم ایک نمبر کے اُلو، گھامڑ، اس نے کہانی سنائی اور تم نے اعتبار کر لیا۔'' زیبو کا بس نہیں چل رہا تھا اس کے بال نوچ ڈالے۔ مدر ٹریسا کا بھائی۔

''میں کل اس سے ملنے جا رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے وہ جھوٹ نہیں بول رہی۔'' وہ پر یقین تھا زیبو نے اسے گھور کر دیکھا۔

''بالفرض اگر یہ سچ بھی ہوا تو کیا کرو گے تم، اس سے شادی کر لو گے۔

''نہیں یار! جہاں دل تھا کبھی اب وہاں صرف درد ہے اور یہ درد میں کبھی کسی سے نہیں بانٹوں گا۔'' وہ مسکرا دیا۔

Don't copy paste without permission

''تو آخر تم کرو گے کیا؟'' وہ اس سے سچ اگلوانا چاہتی تھی کہ اب ماموں کو تنگ کرنے کے لیے وہ کون سا نیا کارنامہ سرانجام دینے والا تھا۔

''ابھی سوچا نہیں ہے۔''

* * *

آج اس نے دکان سے چھٹی لی تھی۔ اسے اسماء سے ملنے جانا تھا عام سی جینز پہ اس نے کالی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ بڑھی ہوئی شیو، بالوں کو بھی محض ہاتھوں سے ہی سنوارا تھا۔

زیبو نے اس کے بکھرے سے حلیے کو قدرے ناگواری سے دیکھا۔

Don't copy paste without permission

''اس حلیے میں اس سے ملنے جاؤ گے۔'' ناشتے کی ٹرے اس کے سامنے رکھنے کے بعد وہ دوبارہ کچن سے کچھ لینے گئی تھی، اس کا حقہ پانی زیبو کے دم سے ہی چل رہا تھا، ورنہ امی اور ڈیڈی دونوں نے اس کا بائیکاٹ کر رکھا تھا۔

''مجھے کون سا اپنی گرل فرینڈ سے ملنے جانا ہے۔ بس ٹھیک ہوں میں ایسے ہی۔'' کسل مندی سے کہتے ہوئے وہ آلو بھرے پراٹھوں کے ساتھ انصاف کرنے لگا تھا۔ اتنے دنوں کی بھوک ہڑتال کے بعد آج کل وہ ندیدوں کی طرح کھا رہا تھا۔

''بیٹا! کیوں میرے بھائی کو پریشان کر رکھا ہے۔'' پھوپھو بھی اسے سمجھانے کو وہیں لاؤنج میں آ بیٹھی تھیں۔

Don't copy paste without permission

''آپ کے بھائی صاحب کنجوسی کی اعلا مثال ہیں۔ اچھا ہے میرے نہ پڑھنے سے ان کی کچھ بچت ہی ہو جایا کرے گی۔''

لاپروائی سے کہتے ہوئے اس نے نیپکن سے ہاتھ صاف کیے اور جلدی جلدی کا شور مچا کر وہاں سے نکل گیا۔ ورنہ پھوپھو کا والدین کی خدمت اور ان کی اطاعت پر دیا جانے والا لیکچر ڈیڑھ گھنٹے سے بھی تجاوز کرنے والا تھا۔

* * *

اپنے دوست اسد سے اس نے بات کر لی تھی وہ گاڑی لے کر آیا تھا۔ دونوں ابھی شہر کی حدود سے نکلے ہی تھے جب اس کی سیل پر اسماء کی کال آئی تھی۔

Don't copy paste without permission

''میں اس وقت لاہور میں ہوں۔'' وہ شاید بہت جلدی میں تھی ساتھ رو بھی رہی تھی۔ ''تم مجھ سے قائد اعظم لائبریری کے باہر ملو۔''

وہ اس کی بات سن کر خود پریشان ہو چکا تھا اس نے اسد کو گاڑی واپس موڑنے کو کہا تھا۔ آدھے گھنٹے کے بعد وہ قائد اعظمؒ لائبریری کے باہر اس کے پاس کھڑا تھا، بقول اس کے گھر والوں نے آج کی شام اس کا نکاح مخالف قبیلے کے چوہدری رفاقت کے ساتھ طے کر دیا تھا، جس کی عمر ساٹھ سال تھی اور وہ پہلے سے شادی شدہ اور پانچ بچوں کا باپ بھی تھا اور اپنے بچاؤ کی کوئی صورت نہ پا کر وہ گھر سے بھاگ آئی تھی۔

معمولی سی شکل و صورت کی وہ لڑکی اسے پہلی نظر میں تو بالکل اچھی نہیں لگی تھی۔

Don't copy paste without permission

''صرف تم ہو جو میری مدد کر سکتے ہو۔ تمہارے ہی بھروسے پر میں نے اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے۔'' وہ بڑی آس بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''فیصل چھوڑو اسے! تمہارے کام کی نہیں ہے۔ میں تو کہتا ہوں سینما جا کر کوئی اچھی سی مووی دیکھتے ہیں۔ ذرا طبیعت شاد ہو جائے گی۔''

اسد اس کے کان کے پاس آکر بولا تھا۔ دل تو اس کا بھی یہی چاہ رہا تھا مگر وہ اس کی مدد کا وعدہ کر چکا تھا۔ اسے اپنے حقوق کی خاطر لڑنے پر اکساتا رہا تھا۔ اب وہ گھر سے بھاگ آئی تھی تو وہ اسے چھوڑ کر کیسے چل دیتا۔

''چلو میرے ساتھ۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا تھا۔

Don't copy paste without permission

''کہاں لے کر جاؤ گے اسے۔'' اسد نے پھر سرگوشی کی۔

''میں اس کے ساتھ آج ہی کورٹ میرج کروں گا۔'' وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

''دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا؟'' اس کے سر پر جیسے کوئی بم پلاسٹ ہوا تھا۔ وہ اچھل کر دو قدم پیچھے ہٹا اور گھور کر اسے دیکھا۔

''ہاں اور اس کی وجہ سے ٹھیک ہے۔'' اسے یاد تھا انعم کے بعد وہ کیسے ٹوٹ کر بکھر چکا تھا پھر یہی لڑکی تھی جس نے اپنی توجہ اور اپنی دوستی سے اسے سمیٹا، اس کا دھیان بٹایا تھا، اس کا وہ برا وقت گزارا تھا۔

''تم اس کی مدد کرنا چاہتے ہو تو اس کے اور بھی راستے ہیں۔'' اسد نے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

Don't copy paste without permission

''تم میرے ساتھ چل رہے ہو کہ نہیں ؟'' اس نے جیسے آخری بار پوچھا تھا۔ اسد نے منہ کے ہزار زاویے بناتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھول دیا تھا۔

* * *

کورٹ میرج کرنے کے بعد وہ اسے سیدھا گھر نہیں لے کر گیا تھا، پہلے اسے امی کو تیار کرنا تھا۔ ڈیڈ کی اسے کوئی فکر نہیں تھی ان کے رد عمل سے وہ واقف تھا اور دل ہی دل میں مسرور بھی۔ ایک گھر سے بھاگی ہوئی معمولی شکل و صورت کی لڑکی سے نکاح کر کے اس نے گویا ان سے اپنی تمام تر ناسودہ خواہشات اور ناکام و نامراد محبت کا بدلہ لیا تھا اور اس بے عزتی کا بھی جو انجم باجی نے عفیفہ آنٹی کی، کی تھی۔

Don't copy paste without permission

زیبو کو اس نے بتایا تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''یہ دیکھو! اس کی تصویر، سب سے پہلے تمہیں دکھا رہا ہوں۔'' اور تصویر دیکھ کر اس کی آنکھیں اور کھل گئیں۔

''یہ لڑکی ہے!'' اس کا رد عمل فطری تھا۔ اس کا اتنا خوبرو، ہینڈسم سا کزن، جسے اسکول کی سب سے خوب صورت لڑکی سے محبت ہوئی تھی، جو کہتا تھا زیبو! تم دیکھنا میری لائف پارٹنر اس دنیا کی سب سے خوب صورت لڑکی ہو گی۔'' اور اس نے اس عام سے نقوش والی لڑکی سے شادی کر لی تھی۔

''اب اتنی بھی بری نہیں ہے۔'' وہ برا ہی مان گیا۔

Don't copy paste without permission

''اتنی نہیں لیکن۔'' اس نے جان کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''ماموں اس بار تو تمہیں سیدھا شوٹ ہی کریں گے، خاندان کی عزت مٹی میں ملا دی۔ کتنا ارمان تھا مجھے تمہاری شادی کا اور تم یہ چاند چڑھا کر آ گئے۔ شرم آنی چاہیے تمہیں۔''

''اب بس کرو نا، باقی کے ڈائیلاگز امی کے لیے رہنے دو۔'' اس کی معصوم سی التجا پر اسے ہنسی آ گئی۔

''میں بتا رہی ہوں تمہارا حشر بہت برا ہونے والا ہے۔''

''ڈیڈی کی تو شکل دیکھنے لائق ہو گی۔'' اسے سوچ کر ہی مزا آ رہا تھا۔

Don't copy paste without permission

''بڑے کمینے ہو تم۔'' زیبو کو اور ہنسی آئی۔

''اچھا پلیز! میری اچھی دوست ہو نا جا کر امی سے بات کرو نا۔'' رشوت کے طور پر وہ چاکلیٹ بھی لایا تھا مگر زیبو نے صاف ہری جھنڈی دکھا دی۔

''مجھے مامی سے جوتے نہیں کھالے۔''

موقع غنیمت جان کر آخر اس نے خود ہی بات کر لی تھی، امی تو صدمے کے مارے بے ہوش ہونے کے قریب ہو گئیں۔

Don't copy paste without permission

''امی وہ لڑکی بہت مشکل میں تھی۔ میں نے صرف اس کی مدد کی ہے۔''
وہ ہر طرح سے منانے کو تیار کھڑا تھا مگر ان کا واویلا شروع ہو گیا۔ شام تک پوری کانفرنس سج چکی تھی۔

دونوں بہنیں اور ڈیڈی بھی موجود تھے۔

''اپنی عمر دیکھو اور اپنی حرکتیں دیکھو، بس اس بات کی کسر رہ گئی تھی۔''
جب بہنیں اور امی بول بول کر خاموش ہو جاتیں، تب وقفے وقفے سے وہ یہی جملہ دہراتے۔

''دیکھو فیصل! تم ہمارے پیارے بھائی ہونا۔ تمہیں اگر شادی ہی کرنی ہے تو ہم، جہاں تم کہوں گے خوب دھوم دھام سے تمہاری شادی کریں گے۔''

Don't copy paste without permission

''ہاں ! ایک دو لڑکیاں تو میں نے تمہارے لیے دیکھ بھی رکھی تھیں۔''
انجم اور سائرہ باجی اسے گھیرے بیٹھی تھیں مگر وہ ہنوز ''صم بکم'' بنا بیٹھا سوچ رہا تھا کیا تھا جو وہ یہ ڈرامہ چند ماہ پہلے کر لیتا شاید انعم اس کی زندگی میں شامل ہو ہی جاتی۔

''میں آج ہی وکیل سے بات کرتا ہوں۔'' ڈیڈی نے جیب سے سیل فون نکالا۔

اب بھی نہ بولتا تو...

''میں کسی بھی صورت اسے طلاق نہیں دوں گا۔ آپ کی ہر کوشش فضول ہی ہے۔'' کہہ کر وہ اوپر اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔

Don't copy paste without permission

''دیکھا تم نے! کیسے بات کر رہا تھا۔'' وہ بیوی سے مخاطب ہوئے۔

''مجھے تو لگتا ہے انعم کے گھر والوں نے کچھ گھول کر پلا دیا ہے ورنہ ایسا تو نہیں تھا۔'' انجم باجی دل برداشتہ سی کہہ رہی تھیں۔

''اچھا بس ختم کرو یہ کھٹ راگ، کرتا ہوں میں اس کا بھی علاج۔''

''جانے کس خاندان کی لڑکی ہے آپ تو جانتے ہیں قبائلی نظام کو، آئے روز کیسی دل دہلا دینے والی خبریں آتی ہیں کہیں ہم کسی مصیبت میں نہ پڑ جائیں۔''

''ہوں۔'' وہ ہنکارا بھر کر کسی سوچ میں ڈوب گئے۔

Don't copy paste without permission

* * *

اگلے روز شام میں وہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آیا تھا۔ اس کی امی اور دونوں بہنیں سر جوڑے بیٹھی تھیں۔ گھر میں سخت کشیدگی کا ماحول تھا۔

''سنو اسمائ! یہاں میرے سوا کوئی بھی تمہاری آمد سے خوش نہیں ہے، ہاں میری ایک دوست ہے زیبو۔ بہت اچھی اور پیاری، وہ تمہارا خیال رکھے گی۔ باقی کوئی کچھ بھی کہتا رہے۔ بالکل پروا مت کرنا۔'' اپنے انداز میں اسے بھرپور تسلی دے رہا تھا اور ساتھ پیش آنے والے ہر قسم کے حالات کے لیے تیار کر رہا تھا۔

امی سمیت ان دونوں نے بھی اسے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

Don't copy paste without permission

''امی! یہ اسماء ہے۔'' محض اتنا تعارف کافی تھا۔ تینوں کے منہ حیرت سے کھل گئے۔

وہ نکاح کا صدمہ بالکل بھول چکی تھیں۔ لڑکی کی شکل و صورت، اس کا حلیہ سب سے بڑا جھٹکا تھا ان کے لیے۔ اس سے اچھی شکل کی تو ان کی گھریلو ملازمائیں تھیں۔

اسماء نے جب اتنی خوب صورت خواتین کو دیکھا تو اس کا سر مزید جھک گیا۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی اس لڑکی کو گھر لے کر آنے کی۔'' عالیہ بیگم تنفر سے بولیں۔

Don't copy paste without permission

''یہ لڑکی میری بیوی ہے امی!۔ اور اب یہ اسی گھر میں رہے گی۔'' وہ بھی اکڑ کر بولا تھا۔

''سارے زمانے میں تمہیں یہی ایک ملی تھی۔'' انجم کا غصے کے مارے برا حال تھا۔

''ہاں۔'' بے شرمی سے کہتا اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ دھپ دھپ کرتا سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔

''توبہ! حد ہو گئی۔ ڈھٹائی اور دیدہ دلیری کی۔'' سائرہ نے دانت پیسے۔

''لڑکی تو دیکھو ذرا!'' اماں نے سر تھام لیا۔

Don't copy paste without permission

''فیصل! میری وجہ سے تمہیں یہ ساری جنگ لڑنی پڑ رہی ہے۔ میں بہت شرمندہ ہوں تم سے۔ اپنے ساتھ ساتھ میں نے تمہیں بھی مشکل میں ڈال دیا ہے۔'' وہ بے حد شرمندہ اور ملول تھی۔

''اچھا چھوڑو یہ سب باتیں، جو ہونا تھا ہو چکا۔ تم بس ریلیکس رہو۔ کچھ دنوں میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

***

دوسری صبح ناشتے کے بعد وہ اسے شاپنگ کروانے لے گیا تھا، امی اور بہنوں کو وہ دانستہ نظر انداز کر رہا تھا۔ دکان سے اس نے ایک ہفتے کی چھٹیاں لے لی تھیں۔ وہ چاہتا تھا کہ اس ایک ہفتے میں سب کچھ ٹھیک ہو

Don't copy paste without permission

جائے۔ امی اس لڑکی کو اپنی بہو تسلیم کر لیں مگر جب تک اس کی بہنیں اس گھر میں تھیں، ایسا ممکن نہیں تھا۔ جب وہ چلی جائیں گی تو وہ امی کو منا لے گا۔

اسماء نے بس تین ہی سوٹ خریدے تھے۔

''فیصل اب گھر چلو، باقی شاپنگ پھر کبھی کر لیں گے۔''

''گھر جا کر کیا کریں گے؟ پھر وہی ٹینشن بھرا ماحول، چلو کسی اچھی سی جگہ بیٹھ کر آرام سے باتیں کرتے ہیں۔''

''اگر کسی نے دیکھ لیا تو۔؟'' وہ ڈر رہی تھی۔

Don't copy paste without permission

''ہاہاہا! وہ بے ساختہ ہنسا۔ ''یہاں کون دیکھے گا ہمیں ؟'' تمہارے گھر والے اب تک صبر کر چکے ہوں گے اب کوئی ڈر، کوئی خطرہ نہیں ہے۔ تم اتنی ٹینشن نہ لیا کرو۔''

''جب تک حالات نارمل نہیں ہو جاتے میں آرام سے نہیں رہ سکتی۔''

''بہت ہی بزدل ہو تم۔'' اس نے گاڑی واپس گھر کی سمت موڑ لی تھی۔

واپسی پر وہ اسے پھوپھو کے پورشن میں لے آیا تھا زیبو ان کے لیے اچھا سا لنچ تیار کر کے منتظر بیٹھی تھی۔ پھوپھو اس سے خفا تھیں لیکن اسماء کے سامنے وہ نارمل ہی رہی تھیں۔

Don't copy paste without permission

شام کو وہ اسے گھر لایا تو سائرہ اور انجم تب تک اپنے سسرال جا چکی تھیں۔ اس نے رات امی سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے کچھ بھی سننے سے انکار کر دیا تھا۔

دو روز اس خاموشی میں سکون سے کٹ گئے۔

ڈیڈی نے بھی اس کے بعد سے کوئی ہنگامہ نہیں کیا تھا لیکن بالا ہی بالا وہ کیا کچھ کر چکے تھے، یہ دو روز بعد شام میں اسے معلوم ہوا تھا۔

وہ سردار، اسماء جس کے ساتھ منسوب تھی ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ اس کے ابو اس دنیا میں نہیں تھے۔ وہ تایا کی فیملی کے ساتھ رہتی تھی۔ جرم اس کے تایا زاد نے کیا تھا اور سزا اسے بھگتنی پڑی تھی لیکن عین وقت پر اس کی امی نے اسے فرار کروا دیا تھا۔ فیصل کے ابو نے یہ ساری

Don’t copy paste without permission

معلومات فیصل کے دوست اسد سے لی تھیں اور اس سردار سے خود رابطہ کر کے اسے یہاں بلایا تھا۔ فرار کی تمام راہیں مسدود ہو چکی تھیں۔

اسمائ! تم اب میری بیوی ہو اور کسی بھی صورت ان کے ساتھ نہیں جاؤ گی۔''

وہ اسے دونوں شانوں سے جھنجھوڑتے ہوئے کہہ رہا تھا مگر اس کی رنگت ہلدی کی مانند زرد ہوتی جا رہی تھی۔

''وہ مجھے مار ڈالیں گے۔''

Don't copy paste without permission

''کچھ نہیں ہو گا تمہیں، میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' وہ اس کا ہاتھ تھامے اسے ڈرائنگ روم میں لے تو آیا تھا مگر اسماء بھلا اپنے تایا کے سامنے کیسے ٹھہر سکتی تھی۔

کمرے میں سردار، اس کے محافظ اور تایا ابو کے علاوہ فیصل کے ڈیڈی اور وکیل صاحب بھی موجود تھے۔

''بچے ہیں ابھی اور بچوں سے غلطی ہو ہی جاتی ہے، فیصل تم ان کاغذات پر سائن کر دو بیٹا۔'' وکیل صاحب نے چند کاغذات اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

''ڈیڈی! کیا ہے یہ سب کچھ۔''

Don't copy paste without permission

''مزید تماشا بنانے کی ضرورت نہیں ہے، وکیل صاحب جو کہہ رہے ہیں وہ کرو، سمجھے!'' ان کا لہجہ انتہائی درشت اور دھمکی آمیز تھا۔

''ایسا کبھی نہیں ہو گا۔'' وہ ان سے بھی زیادہ زور سے چلایا تھا۔

''تم!'' سردار اٹھ کر انتہائی غصے میں اس کی سمت بڑھا، جسے وکیل صاحب نے اٹھ کر روکا تھا۔

مستعد کھڑے محافظوں نے بندوقیں تان لیں۔

''اسمائ! اس لڑکے سے کہو، کاغذات پہ سائن کرے۔'' اس کا تایا اب اسماء سے کہہ رہا تھا۔

Don't copy paste without permission

''تایا ابو۔'' وہ رو پڑی تھی۔

''سنا نہیں تم نے ؟'' وہ اچانک دھاڑے تھے۔ سردار کی مکروہ نگاہیں اس پر جم گئیں۔ اس نے فیصل کی سمت دیکھا وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

آنسو ضبط کرتے ہوئے اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ اسے مزید کسی مصیبت میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

* * *

اس کی زندگی میں جیسے اب کچھ نہیں بچا تھا۔ انتہائی غصے میں دوڑاتے ہوئے اس نے اپنی بائیک دیوار پہ دے ماری تھی۔ بمشکل ہی اس کی

Don't copy paste without permission

جان بچ پائی تھی۔ ہوش میں آتے ہی اس نے چلانا شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنے گھر والوں میں سے کسی کی بھی شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ زیبو اس کے پاس رکی ہوئی تھی اور اس کا ہر طرح سے خیال رکھ رہی تھی۔

''ابھی بھی ماموں اگر آپ نے اپنا رویہ نہ بدلا تو اپنے بیٹے کو ہمیشہ کے لیے کھودیں گے۔ آپ ہمیشہ عمر کو اس پر، پریفر کرتے آئے ہیں۔ اتنا اعتماد اگر آپ نے اپنے بیٹے کو دیا ہوتا، تو وہ آج کبھی ایسا نہ ہوتا وہ ہر الٹا کام صرف آپ کو زچ کرنے کے لیے کرتا ہے، آپ اس کے مزاج کو نہیں سمجھ پائے، اسے سختی کی نہیں صرف محبت کی ضرورت ہے، اگر گھر سے اسے پیار ملا ہوتا تو وہ کبھی اسے باہر تلاش نہ کرتا۔''

جانے ماموں کے سامنے وہ کیسے اتنا بول گئی تھی مگر اب اسے ہر صورت اس سرد جنگ کو ختم کرنا تھا، جو بچپن سے باپ اور بیٹے کے درمیان چل

Don't copy paste without permission

رہی تھی۔ جب وہ اسپتال سے رخصت ہوا تو بیچ سڑک میں گاڑی رکوا کر بیٹھ گیا۔

''میں اب اس گھر میں کبھی نہیں جاؤں گا۔'' اس کی ایک ہی ضد تھی۔
''میرا اب ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں رہا وہ کبھی مجھے خوش نہیں دیکھ سکتے۔ ان کا سکون ان کی خوشی مجھے مینٹلی ٹارچر کرنے میں پوشیدہ ہے۔ وہ ایسا کوئی موقع کبھی جانے نہیں دیں گے جس سے مجھے اذیت پہنچ سکے۔''

''یہ صرف تمہارے دماغ کا فتور ہے فیصل ورنہ تمہارے ڈیڈی بہت محبت کرتے ہیں تم سے۔''

''محبت۔'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا تھا۔

Don't copy paste without permission

''جانتی ہو! اگر یہ ایکسیڈنٹ ان کی گاڑی سے ہوتا تو وہ فون کر کے سب سے پہلے یہ پوچھتے کہ میری گاڑی ٹھیک ہے۔'' اس نے گاڑی پہ خاصا زور دیا۔

''اُنہوں نے بس تمہاری اچھی تربیت کرنے کی کوشش کی تھی فرق صرف تمہاری سوچ کا ہے۔''

''غلط فہمی ہے تمہاری۔''

''اگر بقول تمہارے وہ اچھے نہیں ہیں تو تم اچھے بن جاؤ۔ وہ تمہارا خیال نہیں رکھتے تو تم رکھ لو ان کا خیال۔ وہ تم سے محبت نہیں کرتے تو تم

Don't copy paste without permission

محبت کر لو ان سے۔ اگر انہیں تمہاری خواہشات کا احترام نہیں تو تم مان رکھ لو ان کا۔''

''وہ میرے باپ ہیں۔'' اس نے جیسے یاد دلایا تھا۔

''ہاں! اور تم ان کے بیٹے، جھکنا تمہیں ہی پڑے گا۔''

***

اور اس دن کے بعد سے اس نے خود کو سرتایا بدل لیا تھا۔ نہ کوئی ضد نہ خواہش اور نہ ہی فرمائش۔ گھر میں وہ سب سے بہت ہی آرام سے بات کرتا تھا ہر کام میں تابع داری سے سر ہلا دیا۔ دُکان چھوڑ کر وہ ابا کی لانڈری جا

Don't copy paste without permission

رہا تھا۔ تنخواہ کا بھی کوئی مطالبہ نہیں ڈیڈی جتنی رقم دیتے خاموشی سے تھام لیتا، نہ دیتے تو کوئی احتجاج بھی نہیں۔

وہ بالکل ویسا بن گیا تھا جیسے اس کے گھر والے چاہتے تھے۔ ڈیڈی بھی اب اس سے خوش رہنے لگے تھے۔ انہوں نے اسے گاڑی بھی لے کر دی تھی لانڈری کا منیجر اب وہی تھا۔

تنخواہ بھی اچھی تھی۔ سب کچھ کتنی آسانی سے مل گیا تھا۔ اور تو اور اب ڈیڈی عمر کے مقابلے میں اس کی بات کو اہمیت دینے لگے تھے مگر وہ پھر بھی خوش نہیں تھا۔ اس کے نزدیک اب ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔

Don’t copy paste without permission

ان ہی دنوں اس کی پھوپھو کا اچانک انتقال ہو گیا زیبو کے غم میں وہ برابر کا شریک تھا۔ وہ بہت تنہا اور اداس ہو گئی تھی۔ ڈیڈی اسے اپنے پورشن میں لے آئے تھے۔ اس کے ابو ملک سے باہر تھے سسرال میں کوئی تھا نہیں، تو پھوپھو کے لیے جو دادا نے الگ پورشن بنوایا تھا وہ ادھر ہی رہتی تھیں۔

اس کے ابو نے زیبو کے تمام اختیارات ڈیڈی کو سونپ دیے تھے۔ اب اسے ادھر ہی رہنا تھا اس لیے وہ گھر کے کاموں میں دلچسپی لینے لگی تھی بلکہ اس نے تو آتے ہی سارا گھر سنبھال لیا تھا۔ امی کے مزاج سے وہ بچپن سے واقف تھی سو اسے اس ماحول کا حصہ بننے میں کوئی مشکل نہیں ہوئی تھی۔

Don’t copy paste without permission

امی بھی اس سے خوش تھیں کہ زیبو ہر کام میں ان کی مدد کے لیے ہمہ وقت تیار رہتی تھی۔

البتہ عمر کی آمدورفت ان کے گھر اب کچھ زیادہ ہی ہونے لگی تھی۔ اس نے اکثر دونوں کو ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتے دیکھا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ زیبو بچپن کی طرح آج بھی اسے بالکل پسند نہیں کرتی۔

اور پھر ایک روز امی نے اسے بتایا تھا کہ تایا ابو نے عمر کے لیے زیبو کا ہاتھ مانگا ہے اور اس میں عمر کی پسند بھی شامل ہے۔

ڈیڈی نے رضا مندی دے دی تھی۔

Don’t copy paste without permission

اور آج شام وہ لوگ باقاعدہ رشتہ لے کر آنے والے تھے۔ ساتھ ہی منگنی کی چھوٹی سی رسم بھی ہو جاتی۔ اس نے یہ سنتے ہی گھر میں ہنگامہ اٹھا دیا تھا۔

زیبو کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر تو وہ مزید بھڑک اٹھا تھا۔ اس کی اتنی اچھی، اتنی پیاری دوست اور ایک انتہائی ناپسندیدہ شخص کے ساتھ ساری زندگی گزار دے۔ ناممکن۔

''زیبو کی شادی کسی بھی صورت عمر سے نہیں ہو گی اگر ایسا ہوا تو میں خود کو شوٹ کر لوں گا۔'' وہ ڈیڈی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''کیا تکلیف ہے تمہیں! خود کو شوٹ کرنے والی؟''

Don't copy paste without permission

انہوں نے انتہائی تحمل سے دریافت کیا تھا اور اب وہ جواز کیا دیتا۔

''میں نے جو کہا ہے وہی کروں گا۔'' ڈھٹائی کی حد تھی۔

''دیکھو! وہ گھر کی لڑکی ہے۔ مجھے سارہ اور انجم سے زیادہ پیاری ہے۔ آپا نے اس کی ذمہ داری مجھے سونپی تھی۔ بھائی صاحب نے بھی کلی اختیار مجھے سونپ رکھا ہے اور میں اس کے لیے عمر سے زیادہ کس کو اہمیت دوں۔ وہ گھر کا لڑکا ہے دیکھا بھالا، میں اس سے زیادہ کسی پہ بھروسہ نہیں کر سکتا۔''

''اگر بات گھر کے لڑکے کی ہے تو فیملی میں اور بھی لڑکے ہیں، عمر ہی کیوں؟'' وہ زچ ہو گیا۔

Don't copy paste without permission

''جو ہیں، وہ سب شادی شدہ ہیں۔ باقی زیبو سے چھوٹے ہیں اور کوئی اس کے میچ کا بھی نہیں۔''

''آپ عمر پہ بھروسا کر سکتے ہیں اپنے بیٹے پر نہیں۔'' آخر اسے یہی حل مناسب لگا۔ وہ کسی قیمت پر زیبو کی زندگی برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ڈیڈی نے کڑے تیوروں سے اسے گھورا۔

''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں میں زیبو کو بہت خوش رکھوں گا اور پھر وہ عمر کو پسند بھی نہیں کرتی، یہ ایک بے جوڑ رشتہ ہے۔'' بالآخر ایک طویل مباحثے کے بعد وہ ڈیڈی کو قائل کر چکا تھا۔ دونوں کی نسبت طے ہو گئی۔

تایا ابو کو ڈیڈی نے سہولت سے انکار کر دیا تھا۔

Don't copy paste without permission

دونوں گھرانوں میں ایک ان دیکھی خلیج حائل ہوتی چلی گئی۔ عمر ملک چھوڑ کر باہر چلا گیا تھا۔

اور زیبو وہ اداس گم صم سی جیسے خود میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔

* * *

اس دوران اسے علی ملا تھا اس نے باتوں، باتوں میں ایک بات کہی تھی۔

''فیصل بھائی! زندگی میں کبھی پیچھے مڑ کر بھی دیکھ لینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کوئی آج بھی تمہارا منتظر ہو۔''

Don't copy paste without permission

اور وہ، جواب کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا چاہتا تھا، نہ جانے کیسے اس کے قدم اسی راستے کی سمت اٹھ گئے تھے۔ علی نے یہ بھی بتایا تھا کہ دادی اسے بہت یاد کرتی ہیں۔ اس کی امی فوت ہو چکی تھیں۔ علی خود شادی کر چکا تھا۔ دادی بے حد ضعیف ہو گئیں تھیں آج بھی اس سے بہت محبت اور پیار سے ملیں۔

''میں نے ہمیشہ تمہیں بہت یاد کیا۔'' دادی اس سے کہہ رہی تھیں۔ فیصل نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

''میں بھی آپ کو بہت یاد کرتا رہا ہوں۔'' اب وہ ان کے بوڑھے جھریوں زدہ ہاتھوں کو چوم رہا تھا۔ انعم اندر آئی تو دروازے میں ٹھٹک کر رک گئی۔

Don't copy paste without permission

فیصل کا دل یکبارگی دھڑکا۔ وہ جو سمجھ رہا تھا اسے مکمل طور پر بھول چکا ہے، آج جو سامنے آئی تھی تو دھڑکنوں نے پھر وہی راگ چھیڑ دیا تھا۔ دل کی اندھیر نگری میں جیسے کوئی چراغ جل اٹھا تھا۔ وہ عاشقی کا زمانہ!

سارے منظر روشن ہوتے چلے گئے۔

وہ کھڑی رہی، وہ دیکھتا رہا۔ کتنے ہی پل یونہی بیت گئے۔

''فیصل! اب تم ہی سمجھاؤ اسے، اتنے رشتے آچکے ہیں مگر مانتی ہی نہیں۔ علی تو اپنے گھر بار کا ہو گیا اس کا بھی کوئی ٹھکانہ ہو تو میں سکون سے مر سکوں۔'' وہ بے حد آزردہ لگ رہی تھیں۔

''دادی! آپ نے پھر وہی باتیں شروع کر دیں۔''

Don't copy paste without permission

''دادی ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں۔'' وہ جیسے دل پہ پتھر رکھ کر بولا تھا۔ انعم نے ایک شکوہ بھری نظر اس پر ڈالی اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

وہ بوجھل دل لیے واپس چلا آیا۔

دادی اس سے کیا کہنا چاہتی تھیں، وہ سمجھ چکا تھا مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ دوبارہ اب کبھی اس گلی کی سمت مڑ کر نہیں دیکھے گا۔

چاہے کوئی عمر بھر اسی دہلیز پہ بیٹھا اس کی راہ تکتا رہے۔

* * *

Don't copy paste without permission

دو سال بیت گئے۔ عمر واپس آگیا تھا۔ اس نے زیبو کو پردے کی اوٹ سے باہر تکتے پایا تو دو قدم آگے بڑھتے ہی اس کے قدم ٹھٹک گئے۔

وہ سڑک پہ کھڑے عمر کو اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے چپکے سے دیکھ رہی تھی۔ بچپن کی طرح آج بھی وہ اس کھڑکی کو بند کرنا چاہتا تھا لیکن ... خاموشی سے پلٹ آیا زیبو خود میں اتنی مگن تھی کہ اس کی آمد کو محسوس ہی نہیں کر پائی تھی۔

مگر وہ الجھ گیا تھا اور الجھن بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ ڈیڈی کی طبیعت آج کل خراب رہنے لگی تھی۔ سارا کاروبار اس کے حوالے کر کے اب وہ گھر میں آرام کیا کرتے تھے۔ امی کو اچانک ہی گھر کی ویرانی اور سونے پن سے وحشت ہونے لگی تھی۔

Don’t copy paste without permission

انہوں نے دونوں کی شادی کی تاریخ طے کر دی۔

یہ خبر سنتے ہی اس کی دونوں بہنیں بھی چلی آئی تھیں۔ گھر میں اب مخصوص شادی والا ہنگامہ جاگ اٹھا تھا ڈیڈی، زیبو کا جہیز بنا رہے تھے۔ اس کی امی اور بہنیں مل کر شاپنگ کر رہی تھیں رات گئے تک ڈھولک بجتی رہتی۔

اور وہ ان سارے ہنگاموں سے الگ تھلگ جانے کن کاموں میں خود کو الجھائے رکھتی تھی۔

جیسے جیسے شادی کے دن قریب آ رہے تھے اس کا دل جیسے کوئی مٹھی میں لے کر دھیرے دھیرے بھینچ رہا تھا۔ درد کی شدت سے وہ دہری ہو جاتی۔

Don't copy paste without permission

اذیت حد سے سوا ہوئی تو ایک روز اچانک بڑے کمرے میں سب کو چائے پیش کرتے ہوئے گر گئی۔

* * *

اصل بھید اب کھلا تھا، تو کیا وہ ہمیشہ سے ہی عمر کو پسند کرتی تھی؟'' اس نے مٹھیوں میں جکڑے بال آزاد کیے اور سر گھٹنوں میں دے کر بیٹھ گیا۔

وہ سات روز سے اسپتال میں تھی۔ ڈاکٹرز نے کہا تھا شدید ذہنی کشمکش کے باعث اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔

''ذہنی کشمکش!'' وہ الجھن میں پڑ گیا۔

Don't copy paste without permission

''زیبو کو کیا مسئلہ ہو سکتا ہے ؟'' اس نے گھر آکر اس کے کمرے کی ہر چیز کھنگال ڈالی اور ذہنی کشمکش کا سراغ مل گیا۔

ایک مخملی کیس اور ٹوٹا ہوا بریسلیٹ ساری کہانی سنا گیا تھا۔

''جس کی دوستی کی خاطر میں نے اپنا پیار چھوڑ دیا تھا وہ بھی دو سالوں سے اپنا پیار بھلائے محض دوستی نبھائے جا رہی تھی۔ میری زندگی تو عذاب تھی ہی، ساتھ میں نے اسے بھی کانٹوں پہ گھسیٹ ڈالا، کیوں ایسا سوچا میں نے کہ جو شخص مجھے اچھا نہیں لگتا وہ زیبو کو بھی پسند نہیں ہو گا۔'' پچھتاوا، بے بسی، دکھ، دلدوز سوچیں۔ کیا نہیں تھا جو اس کے دل کے ساتھ وجود کو بھی چھلنی کر رہا تھا۔

Don't copy paste without permission

پچھلے سات روز سے اس کی یہی کیفیت تھی۔ وہ رات کو ایک پل کے لیے بھی سو نہیں پاتا تھا۔

اس نے مجھ سے ایک بار تو کہا ہوتا کیوں چپ چاپ خاموشی سے میری خواہش پہ سر جھکا دیا۔ آخری سگریٹ کو ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے اس نے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ لیے تھے۔

حالانکہ وہ میری خواہش نہیں مجبوری تھی۔ کاش اس بار تمہاری آنکھوں میں چمکنے والے آنسوؤں سے میں نے اپنی مرضی کا مطلب اخذ نہ کیا ہوتا۔ اپنے دل کی ساری کہہ دینے کے بعد میں نے کبھی تمہارے دل میں بھی جھانک کر دیکھا ہوتا۔ کبھی تمہاری بھی سنی ہوتی۔ میں نے ہمیشہ تمہیں اپنے مطلب کے لیے استعمال کیا اور جب تمہارے دل میں کسی نرم گداز جذبے نے سر اٹھایا تو میری اس ہمدردی اس رحم، اس عنایت نے

Don’t copy paste without permission

تمہاری جان ہی لے لی اور اس قربانی سے مجھے کیا ملا؟ پچھتاوا، بے بسی، درد اور کبھی نہ ختم ہونے والی اذیت، میں قاتل ہوں تمہاری معصوم امنگوں کا، تمہاری محبت کا۔

میری ناکام محبت نے دل پہ اتنے گھاؤ نہیں لگائے تھے جیسا زخم تمہارے لگائے ہوئے مرہم نے دیا ہے۔ اس سے تو اچھا تھا تم بھی دھتکار دیتیں مجھے۔

اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔ مگر بے سود۔ وہ اٹھ کر اسپتال چلا آیا۔

اسے زیبو سے شادی نہیں کرنی تھی، کسی صورت نہیں۔ وہ اسے یہ سزا نہیں دے سکتا تھا۔

Don’t copy paste without permission

* * *

وہ ہنوز آنکھیں موندے لیٹی تھی۔

کمزوری، نقاہت، بے کلی اس کے چہرے سے واضح جھلک رہی تھی۔

''بند کرو یہ بیماری کا ڈھونگ اور اٹھ کر میری بات سنو۔'' وہ اس کے سر پہ کھڑا درشتی سے کہہ رہا تھا۔

اس نے بمشکل ہی آنکھیں کھولی تھیں۔

Don't copy paste without permission

''ہر بات پر مجھ سے لڑنے والی، میرا دماغ کھانے والی، ذرا سی بات پر ہنگامہ اٹھا دینے والی زیبو میری دوست تھی۔ تم کون ہو بتاؤ؟''

''میں تمہارا بھرم نہیں توڑنا چاہتی تھی۔'' وہ رو پڑی۔

''اور اب جو میرے ساتھ کیا ہے وہ... ! انعم دو سال سے بیٹھی میرا انتظار کر رہی ہے۔ اس کی دادی تو اسی روز میرا نکاح پڑھا دیتیں مگر تم...''

''بدتمیز! بے ہودہ، مطلبی انسان، میں تمہاری وجہ سے بستر مرگ پر پہنچ گئی اور تمہیں آج بھی اپنی فکر ہے۔'' بغیر کسی لحاظ کے اس نے سائیڈ میز پر رکھی ٹوکری اس پر الٹ دی تھی۔

Don't copy paste without permission

''چلو، تمہاری طرف سے کچھ تو تسلی ہوئی کہ تمہارا ذہنی توازن نہیں بگڑا۔''
بے ساختہ قہقہہ لگاتے ہوئے وہ پھل، ٹوکری میں واپس ڈالنے لگا تھا۔

دروازے میں کھڑا عمر اندر چلا آیا۔

زندگی میں پہلی بار فیصل اس سے ذرا اچھے انداز میں ملا تھا۔

''آج سورج کیا مغرب سے نکلا ہے فیصل! تم مجھ سے گلے مل رہے ہو۔'' وہ مصنوعی شوخی سے کہہ رہا تھا۔

''اب اتنی عزت تو تمہاری کرنی پڑے گی۔'' وہ منہ بسور کر بولا تو زیب اور عمر ہنس پڑے۔

Don't copy paste without permission

''لیکن فیصل! ماموں سے اب اگر تم نے انکار کیا تو وہ سیدھا تمہیں شوٹ ہی کریں گے۔'' اچانک خیال آنے پر وہ فکر مندی سے بولی تھی۔

''ابو کو اپنا بھائی اور عمر مجھ سے زیادہ عزیز ہیں ویسے بھی انہوں نے تمہارے لیے عمر کو ہی ترجیح دی تھی۔''اس نے طنز نہیں کیا تھا لیکن عمر کو ٹوکنا پڑا۔

''میں نے تو تمہیں ہمیشہ اپنا بھائی سمجھا تھا۔ تم نے دل میں اتنی رقابت پال لی۔''

''یہ سب ڈیڈی کی وجہ سے ہوا تھا، میں ان کا اکلوتا بیٹا تھا مگر وہ مجھ سے زیادہ تمہیں چاہتے تھے۔ پھر میں تم سے حسد کرنے لگا تھا، حسد یا تو انسان کو سنوار دیتا ہے یا بگاڑ دیتا ہے۔ میرے ساتھ دوسرا معاملہ ہوا۔ میں اپنی

Don't copy paste without permission

ہی سوچوں اور خیالوں کی آگ میں جل کر تنہا ہو گیا۔مجھے صرف محبت چاہیے تھی اور ڈیڈی کو صرف محبت کرنی نہیں آتی تھی۔ ہم دونوں کا ایک ہی مسئلہ تھا اور وہ مسئلہ تم تھے۔ وہ مجھے تمہارے جیسا بنانا چاہتے تھے اور میں اپنے جیسا رہنا چاہتا تھا۔ بچوں کا ہر وقت کا موازنہ کس قدر ذہنی اذیت کا باعث بنتا ہے کاش تم جان سکتے، پھر جب مجھے پتا چلا کہ تم زیب کو چاہتے ہو مجھے تم سے بدلہ لینے کا موقع مل گیا اور میں نے زیبو سے منگنی کر لی مگر میں کبھی جان ہی نہیں پایا کہ میری سب سے قریبی دوست میرے سب سے نزدیک کے دشمن کو اس قدر چاہتی ہے۔''

آخر میں اس نے زیبو کو آنکھیں دکھائیں تو وہ بے ساختہ سر جھکا گئی۔ دونوں کے بیچ جو ایک ان کہی تھی وہ آج اس نے یوں سر عام عیاں کر دی تھی۔

Don’t copy paste without permission

زیبو کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

عمر نے دلچسپی سے اسے شرماتے ہوئے دیکھا تو فیصل نے زیبو کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے زیبو کی انگوٹھی اتار کر عمر کی جانب بڑھا دی۔

''میرا یہ احسان یاد رکھنا۔ اپنی منگیتر تمہیں دے رہا ہوں۔''

''نہیں، تم مجھے میری محبت دے رہے ہو۔'' وہ بھی برجستہ بولا تھا۔

''چلو! یوں ہی سہی، اب بدلے میں تمہیں بھی مجھے میری محبت دینی پڑے گی کیونکہ ڈیڈی مجھ سے زیادہ تمہاری مانتے ہیں۔'' ساتھ ہی شرط بھی عائد کر دی۔

Don't copy paste without permission

''تم پروپوزل تیار رکھو۔ وہ بھی ہنس پڑا تھا۔

زیبو اور اسے کچھ لمحوں کے لیے اکیلا چھوڑ کر وہ باہر نکل آیا۔ باہر ڈیڈی اور تایا ایک ساتھ کھڑے تھے۔ ساری رنجشیں، گلے شکوے آج ختم ہو چکے تھے۔ عمر کے ساتھ وہ مذاق کر رہا تھا۔ انعم اور اس کے رشتے میں بھی اب کوئی رکاوٹ حائل نہیں تھی۔

کیونکہ ایک بازی اس نے بھی ڈیڈی کے ساتھ کھیلی تھی۔

وہ اپنے بھائی سے ملنے کے لیے بہت تڑپتے تھے کیونکہ تایا ابو کا رویہ اس روز کے بعد سے بہت روکھا اور لیے دیے والا ہو گیا تھا۔

اور فیصل نے ان سے کہا تھا۔

Don't copy paste without permission

''وہ زیبو کی شادی عمر سے کروا دیں لیکن اس کے لیے انہیں اس کی شادی انعم سے کروانی پڑے گی۔''

اور وہ اس کی یہ شرط مان گئے تھے۔

اور اب وہ تازہ مہکے گلابوں کا گلدستہ لیے روٹھے صنم کو منانے آیا تھا۔
دادی اسے دیکھ کر بے حد خوش ہوئی تھیں۔

اس نے اپنا مدعا پہلے دادی سے بیان کیا تھا۔ ساری کہانی ان کو بتا دی، سمجھا دی بلکہ رٹوا دی۔

Don't copy paste without permission

وہ دادی کے لیے سوپ بنا کر لائی تھی۔ گہرے سبز رنگ کے سوٹ میں ملبوس وائٹ دوپٹہ لیے ہمیشہ کی طرح وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اس کے بال کمر سے نیچے تک جھول رہے تھے۔ گلابی رنگت کملا کر زرد سی ہو رہی تھی۔ سنہری آنکھوں تلے سیاہ حلقے بے حد نمایاں تھے۔

حزن و ملال کے رنگوں میں لپٹی وہ خوش رنگ تتلی نہیں جانتی تھی کہ آج کوئی اس کے لیے گلابوں کا موسم لے کر آیا تھا۔

اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے وہ دادی کی طرف متوجہ تھی۔

''دادی اب لیٹ جائیں! آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ اتنی دیر تک بیٹھنا آپ کی صحت کے لیے اچھا نہیں ہے۔'' وہ صاف اسے سنا رہی تھی کہ اب وہ جا سکتا ہے۔

Don't copy paste without permission

اس نے مدد طلب نظروں سے دادی کی سمت دیکھا تھا۔

''اب تم خود ہی سمجھا لو۔'' دادی نے عین وقت پر صاف ہری جھنڈی دکھا دی تھی۔

جبکہ انعم ان کے اشارے کنائیوں سے بے خبر اس جملے سے سابقہ معنی اخذ کرتے ہوئے فوراً بولی تھی۔

''انہیں سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے میرے لیے جو بھی پہلا پروپوزل آئے آپ قبول کر لیں۔ میں شادی کے لیے تیار ہوں۔''

Don't copy paste without permission

وہ کہہ کر رکی نہیں تھی اٹھ کر اوپر اپنے کمرے میں چلی آئی تھی اور آتے ہی دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر اس نے زار و قطار رونا شروع کر دیا تھا۔

کیوں آجاتا ہے یہ شخص ہر بار اس کی بے بسی کا تماشا دیکھنے۔ دادی کو وکٹری کا نشان دکھاتا وہ ایک ساتھ دو دو سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے اوپر آیا تھا۔ اسے روتا دیکھ کر پہلے مسکرایا پھر اس کے قریب چلا آیا اور اس کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔

''کیا اتنا برا ہوں میں، جو مجھ سے شادی کرنے پر اس قدر قیمتی و نایاب آنسو بہائے جا رہے ہیں۔'' اور وہ رونا بھول کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔

نا سمجھی، بے یقینی، حیرت، کیا کچھ نہیں تھا ان آنسو بھری آنکھوں میں۔

Don't copy paste without permission

''تمہارے لیے پہلا پروپوزل میں لے کر آیا ہوں جو دادی نے قبول کر لیا ہے۔''

نا سمجھی، بے یقینی، حیرت کے تمام تاثرات اچانک کہیں غائب ہوئے تھے اور اب اس کے چہرے پر ایک ہی رنگ تھا۔

خوشی و انبساط کا رنگ، محبت کا رنگ اور ایسے ہی ڈھیر سارے رنگوں سے سجی ایک خوب صورت محبت بھری زندگی دونوں کی منتظر تھی۔

تمام شد

Don't copy paste without permission